خانقاہ حضرت رائپوری رحمۃ اللہ علیہ کا ترجمان

ماہنامہ

ملیہ

فیصل آباد پاکستان

محرم الحرام ۱۴۴۷ھ

جولائی 2025ء

- غزہ!!!
  مولانا حماد الرحمٰن لدھیانوی
- مجالس حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائپوری قدس سرہٗ
- تاریخ ختم نبوۃ تاریخ کے آئینے میں
- مجلس نفیس



بیاد

ابن انیس مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ

خلیفہ مجاز حضرت سید نفیس الحسینی رحمۃ اللہ علیہ

جامعہ ملیہ اسلامیہ فیصل آباد

041-8711569

www.milliafsd.com

دینی مدارس کا تاریخی کردار

ابن انیس مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ

ہم ہیں اسلاف کا ہر فرض نبھانے والے
ہم ہی ہیں قوم کا ہر قرض چکانے والے

ہم نے تاریخ پہ احسان کیا ہے اب تک
ہم نے ہی امن کا پیغام دیا ہے اب تک

ہم ہی نے سنوارا ہے گلستاں کو لہو سے
ہم ہی نے بچایا ہے شبستاں کو عدو سے

ہم ہیں ایثار و وفا ضبط و تحمل کا نشاں
ہم گلستاں کی بہاروں کے تجمل کا نشاں

ہم نے تہذیب و تمدن کے بھی رُخ موڑے ہیں
ہم نے ہر آن عزیمت کے نشاں چھوڑے ہیں

ہم یتیموں کا غریبوں کا سہارا ہیں بنے
ہم ہی ڈوبی ہوئی کشتی کا کنارا ہیں بنے

ہم نے صفہ کی وراثت کو سنبھالا اب تک
ہم سے ہی علم نبوت کا اُجالا اب تک

ہم تو ہیں آج بھی اُس راہ پہ چلنے والے
ہم نہیں غیر کی امداد پہ پلنے والے

ہم نے رکھے ہیں بچاکر کے نبوت کے علوم
ہم نے بخشا ہے ہمیشہ سے شرافت کو عموم

ہم نے سوتے ہوئے انساں کو جگا رکھا ہے
ہم نے انسان کو انسان بنا رکھا ہے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ہر اسلامی مہینے کے شروع میں شائع ہوتا ہے

خانقاہ حضرت رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کا ترجمان

ماہنامہ ملیّہ

فیصل آباد پاکستان

محرم الحرام ۱۴۴۷ھ

شمارہ نمبر 1 جلد نمبر 22

بمطابق جولائی 2025ء

بفیض

قطب الاقطاب حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری صاحب رحمۃ اللہ علیہ

رئیس الاحرار حضرت مولانا حبیب الرحمن الدھیانوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ

امیر ثانی تبلیغ حضرت مولانا محمد یوسف کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ

بیاد

مولانا انیس الرحمن الدھیانوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ

پیر طریقت حضرت سید نفیس الحسینی شاہ

حضرت مولانا ابن انیس حبیب الرحمن الدھیانوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ

خلیفہ مجاز سید نفیس الحسینی صاحب

فہرست مضامین

مدیر: مولانا حماد الرحمن لدھیانوی

مدیر مسئول: مولانا جواد الرحمن الدھیانوی

فی شمارہ 80 روپے

پاکستان میں سالانہ 1000 روپے

سالانہ بدل اشتراک بیرون ملک 100 امریکی ڈالر

رابطہ کیلئے: ماہنامہ ملیّہ جامعہ ملیّہ اسلامیہ

محلہ خالصہ کالج P.O مدینہ ٹاؤن، فیصل آباد پاکستان

041-8711569, 0321-6611910

ناشر: حبیب الرحمن لدھیانوی

مطبع: ظفر اینڈ فضل پرنٹنگ پریس فیصل آباد

غزہ!!!

حماد الرحمن لدھیانوی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ وکفی وسلام علی عبادہ الذین اصطفی: امابعد!

غزہ تا حال یرغمال ہے، اسلامی سلطنت کا ایک عظیم حصہ لہولہو ہے، انسانیت سسک رہی ہے، ہم سب روایتی احتجاج کرکے خواب خرگوش ہیں، جبکہ اسرائیل اپنی پوری طاقت کے ساتھ حملہ آور ہے، گویا ان کے بچے کھچے افراد کو بھی تہہ تیغ کرنے کا تہیہ کیے ہوئے ہے، ہم بحیثیت مسلمان اپنا کردار ادا کرنے سے قاصر ہیں اس کا نقشہ معروف اصحاب دانش ایسے کھینچتے ہیں،

''ساڑھے تین سو مربع کلومیٹر کے چھوٹے سے حصار میں بند' اکیس لاکھ انسانوں کی بستی' معلوم انسانی تاریخ کے سب سے ہیبت ناک عقوبت خانے کی شکل اختیار کرچکی ہے۔ بھوک سے نڈھال ماؤں کی گود میں بلکتے ہڈیوں کے معصوم ڈھانچے' دودھ کی بوند بوند کو ترستے بچے' تقسیمِ خوراک کے مراکز پر خالی برتن اٹھائے خستہ حال انسانوں کے ہجوم' ادویات سے محروم' موت کی آغوش میں جاتے مریض' ایک ایک قطرۂ آب کو ترستی خلقِ خدا اور اندوہ ناک انسانی المیے سے لطف اندوز ہوتا اسرائیل ... یہ سب کچھ اکیسویں صدی کی اُس دنیا کی کھلی آنکھوں کے عین سامنے ہورہا ہے جو صبح وشام تقدیسِ آدمیت کے ترانے گاتی اور بنیادی انسانی حقوق کے نغمے الاپتی ہے۔

دنیا کے دو سو کے لگ بھگ ممالک میں آباد آٹھ ارب سے زائد انسانوں کیلئے یہ سب کچھ معمول کا درجہ اختیار کرچکا ہے۔ اس لیے کہ بھوک' پیاس اور شدید غذائی قلت سے مرتے لوگ مسلمان ہیں۔ فلسطینی ہیں۔ سو اُن کے حقوق سلب ہوچکے ہیں۔ بھوک کے باعث ایک پالتو جانور مرجائے تو اُس کے مالک پر مقدمہ چلتا ہے' اُسے سزا ہوتی ہے۔ لیکن غزہ کے فلسطینی' بنی نوعِ انسان سے تعلق

رکھتے ہیں نہ ہی اُنہیں جانوروں جیسے حقوق دیئے جاسکتے ہیں۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اُن پر بم برسانے اور ترسیلِ خوراک کے راستے بند کرنے والے ملک کا نام اسرائیل ہے جسے فلسطینیوں کی زمین غصب کرنے، اُنہیں آگ اور بارود میں بھسم کرنے اور بھوک پیاس سے مارنے کا استحقاق حاصل ہے۔ جو نشانے لے لے کر عالمی راہنماؤں، سائنسدانوں اور مطلوب شخصیات کے سینے چھلنی کرسکتا ہے۔ جو اقوام متحدہ سمیت تمام عالمی اداروں کو جوتی کی نوک پر رکھتا ہے اور جو نہتے انسانوں کو اپنی پسند کے طریقوں سے قتل کرنے کا لائسنس لیے پھرتا ہے۔

غزہ کی تصویر کشی کرتے ہوئے اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل نے کہا:

"Horror show with a level of death and destruction without parallel in recent times."

(موت اور تباہی و بربادی کا ایسا خوف ناک منظر جس کی کوئی نظیر حالیہ دور میں نہیں ملتی)

آج تک کسی جنگ نے لالہ وگل نہیں کھلائے۔ ازل سے جنگیں موت، تباہی و بربادی اور غارت گری کی علامتیں رہی ہیں۔ تیر وشمشیر کا عہدِ قدیم ہو یا نامیاتی اور کیمیائی ہتھیاروں کا عہدِ جدید، ہر جنگ کا نتیجہ لاشوں اور مختلف النوع انسانی المیوں کی شکل میں نکلا۔ ایک زمانے میں حملہ آور لشکر خوراک اور ہر نوع کے سامانِ رسد کی ناکہ بندی کو موثر ہتھیار کے طور پر استعمال کرتے تھے لیکن قلعے کے دروازے کھل جانے اور ترکِ مزاحمت کے بعد دشمن کو بھی بھوک اور پیاس سے مارنے کی مثالیں شاید ہی ملیں۔ جنگی قیدیوں کے ساتھ بھی ایسا غیر انسانی سلوک روا نہیں رکھا گیا۔ اب تو اُن کی خوراک اور رہائش سے لے کر تمام انسانی ضروریات کے حوالے سے واضح حقوق کے عالمی عہد نامے مرتب ہوچکے ہیں۔ لیکن غزہ کے عقوبت خانے میں بند اکیس لاکھ فلسطینی اُن حقوق سے بھی محروم ہیں جو جنیوا کنونشن جنگی قیدیوں کو دیتا ہے۔

غزہ پر ٹوٹنے والی تازہ قیامت کو اَب پونے دو سال ہوچلے ہیں۔ اکتوبر 2023ء سے شروع ہونے والی اسرائیلی یلغار کسی نہ کسی طور پر جاری ہے۔ غزہ تباہی و بربادی کا استعارہ بن چکا ہے۔

ٹینکوں، توپوں، جنگی طیاروں اور کسی وقفے کے بغیر میزائلوں کی بارش نے بھری پُری بستی کو کھنڈر میں بدل دیا ہے۔ نہ ہسپتال رہے نہ تعلیمی ادارے، نہ عبادت گاہیں نہ بازار، نہ انفراسٹرکچر نہ انتظامی ڈھانچہ، نہ مکان نہ گزرگاہیں۔ سب کچھ پیوندِ زمین ہوگیا۔ بستیاں مٹ گئیں، قبرستان پھیل گئے۔ اب تک غزہ کے گورستانوں میں چھوٹی بڑی باسٹھ ہزار قبروں کا اضافہ ہو چکا ہے۔ ہزاروں ایسے بھی ہوں گے جن کے جسم کا کوئی حصہ نہ ملا کہ اُسے کفنایا اور دفنایا جا سکتا۔

پھر اسرائیل نے بچے کھچے لوگوں کو موت کے منہ میں دھکیلنے کیلئے ایسا سفاک اور انسانیت سوز طریقہ اختیار کیا جو انسانیت کی ہلکی سی رمق رکھنے والی کسی قوم کے دل ودماغ میں جگہ نہیں پا سکتا۔ اہلِ غزہ کو خوراک، پانی، ادویات اور اشیائے ضروریہ کی فراہمی بند کر دی گئی۔ یہ سلسلہ 2 مارچ 2025ء سے شروع ہوا جو کسی نہ کسی شکل میں اب تک جاری رہے۔ اسرائیل کے عزائم کا ساتھ دیتے ہوئے سب سے بڑے پڑوسی مسلم ملک نے اس ناکہ بندی میں بھرپور تعاون کیا۔ جنگ زدہ اور تباہ حال غزہ کے بچے کھچے نیم جاں لوگوں میں اتنی بڑی قیامت برداشت کرنے کی سکت نہ تھی۔ سو رقصِ مرگ شروع ہو گیا۔ لوگ بھوک اور پیاس سے مرنے لگے۔ ناکافی غذا نے سب سے زیادہ بچوں اور اُن کی ماؤں کو متاثر کیا۔ دیکھتے دیکھتے وہ ہڈیوں کے ڈھانچے بن گئے۔ بے بس مائیں ان ڈھانچوں کو اپنے ناتواں بازوؤں میں سمیٹے تقسیم خوراک کے مراکز پر دھکے کھانے لگیں ان کم نصیبوں کو یہ بھی پتا نہ چلا کہ اُنہوں نے جس ڈھانچے کو سختی سے آغوش میں بھینچ رکھا ہے، وہ کب کا بھوک اور پیاس سے بے نیاز ہو چکا ہے۔ شدید عالمی دباؤ کے بعد، مئی میں اسرائیل نے ترسیلِ خوراک کی واحد زمینی راہداری کو، خون کی تنگ شریان کی حد تک کھولا۔

یہ جزوی عنایت، محض ڈرامہ ٹھہری۔ اکتوبر 2023ء سے قبل روزانہ پانچ چھ سو ٹرک، اکیس لاکھ شہریوں کو خوراک، پانی، ادویات، ایندھن وغیرہ فراہم کرتے تھے۔ کوئی دو ماہ تک اسرائیل نے یہ راہداری مکمل طور پر بند رکھی۔ مئی سے پانچ چھ سو ٹرکوں کے بجائے، صرف اٹھائیس ٹرکوں کو غزہ میں داخلے کی اجازت ہے۔ تصور کیا جا سکتا ہے کہ قلتِ خوراک کا کیا عالم ہوگا۔ اس وقت بھی پاکستان

سمیت دنیا کے مختلف ممالک سے آئے' خوراک سے لدے لگ بھگ سات سوٹرک مصر غزہ راہداری پر قطار باندھے کھڑے ہیں۔ ان ٹرکوں کو داخلے کی اجازت ملے اور ترسیلِ خوراک کا سلسلہ کسی رکاوٹ کے بغیر شروع ہو جائے تو صورتِ حال سنبھل سکتی ہے لیکن اسرائیل کی ابلیسی سرشت کو زندگی نہیں' موت کا رقص چاہیے۔

وہ خوراک کے مراکز پر دھکم پیل کرتے اور ذرا سی خوراک کیلئے لڑتے مرتے لوگوں پر بھی گولیاں برسا رہا ہے۔ اب تک ان مراکز پر 1050 افراد جاں بحق اور 6511 شدید زخمی ہو چکے ہیں۔ اُدھر معصوم بچوں اور خواتین سمیت کم از کم ایک سوتین افراد بھوک' پیاس اور خوراک کی نایابی کے باعث زندگی ہار چکے ہیں۔ صرف ایک دن' 22 جولائی کو چار معصوم بچوں سمیت پندرہ افراد کے جنازے اٹھے۔ غزہ انتظامیہ کا کہنا ہے کہ اس وقت نو لاکھ بچے شدید غذائی قلت کا شکار ہیں جبکہ ستر ہزار بچے ایسے ہیں جو اب علاج کے قابل بھی نہیں رہے۔

دو دن قبل غزہ کے مقیّد مصیبت زدگان تک سمندر کے راستے مدد فراہم کرنے کی کوشش کرنے والی کشتی پر اسرائیلی ٹوٹ پڑے اور کشتی پر سوار تمام افراد کو حراست میں لے لیا۔ تازہ ترین اطلاعات یہ ہیں کہ بڑھتے ہوئے عالمی دباؤ اور خاص طور پر یورپی ممالک کی حکومتوں میں اُبھرتی نئی سوچ کے پیشِ نظر اسرائیل کو اپنی سفاکیت سے ہٹ کر ترسیلِ خوراک کی ناکہ بندی نرم کرنا پڑی ہے۔

اگر فاقہ زدہ عوام کو مطلوب خوراک سمیت مختلف النوع سامان کی ترسیل کا سلسلہ قبل از جنگ کے معمول کے مطابق شروع ہو جاتا ہے اور اسرائیل اس میں کوئی رخنہ نہیں ڈالتا تو بھی صورت حال کے سنبھلنے میں خاصا وقت لگے گا''۔ (عرفان صدیقی)

ایسے میں 'اُمت مسلمہ' کیا کر رہی ہے؟ دو ارب کے لگ بھگ مسلمان کیا حکمت عملی بنا رہے ہیں۔ 'اسلامی تعاون تنظیم' کہاں ہے؟ فی الحال سب اپنی اپنی نیند پوری کرنے میں مگن ہیں، واہ غزاہ۔۔

سید الطائفہ قطب العالم قطب الاقطاب

مجالس

حضرت رائے پوری شاہ عبدالقادر رائے پوری قدس سرہٗ

بروز اتوار ۵ محرم الحرام ۱۳۶۸ھ ۷ نومبر ۴۸ء خاص رامپور سٹیٹ

صبح فجر کی نماز سے پہلے حضرت والاؒ نے چائے نوش فرمائی اور نماز کے بعد سیر کو تشریف لے گئے راستہ میں مختلف موضوع پر گفتگو فرمائی اور حضرت اقدس طالب علمی کے زمانہ کی یادیں بیان فرماتے رہے اور یہاں منطق پڑھنے کے خیال سے تشریف لائے تھے اور یہاں کے مشہور منطقی مولانا فضل حق خیر آبادی صاحب سے پڑھنے کے خیال سے تشریف لائے تھے اور یہاں کے مشہور منطقی مولانا فضل حق خیر آبادی صاحب سے پڑھنے کی نوبت نہ آئی اور ان کی جا کر زیارت بھی نہ کی۔ محلّہ قدیم گنج کے مچھلی والوں کی مسجد میں حضرت اقدس نے اس زمانہ میں قیام فرمایا تھا۔ حضرت والاؒ اور ہم اس محلّہ میں سے مسجد والی گلی کے پاس سے گزرے مگر جانا نہ ہو سکا باہر نکل گئے یہ شہر کی شرقی جانب تھی وہاں سے دائیں کو پہاڑی دروازہ سے شہر میں داخل ہوئے۔

حضرت والاؒ نے ایک جبہ بانس کے کچھ پیڑ دیکھ کر فرمایا کہ جب میں یہاں طالب علمی کے زمانہ میں آیا تھا ان دنوں سنا تھا یا مولانا امیر خان شاہ صاحبؒ سے سنا تھا کہ یہاں کے ایک بزرگ فرمایا کرتے تھے کہ رامپور کی بانس جب کٹ جائے گی اور وہاں ہل چل جائے گی تو پھر بڑا انقلاب رونما ہوگا۔ ان دنوں تمام شہر کے گرداگرد ایسی بانس کی گھنی فصیل تھی جس میں سے کوئی شخص اندر باہر نہ آجا سکتا تھا سو دروازوں کے جورات کو بند ہو جاتے تھے اور ڈاکو بھی اس بانس کی فصیل میں آکر چھپا کرتے تھے اور نشیمن بنا رکھے تھے۔

نیز فرمایا کہ میری طالب علمی کے زمانہ میں یہاں بانس کی فصیل تھی۔ پھر میں نے سنا کہ وہ

کٹ گئی اور اس پر ہل چل گئے۔ جیسے اب دکھائی دے رہا ہے غالباً تیس سال ہوئے کہ بانس کٹنے لگی تھی چنانچہ اب انقلاب عظیم آ ہی گیا۔ ۱۸۵۷ء کے ہنگامہ کے بعد لوگ انقلاب کے خواہشمند تھے کہ انگریز کب جائیں گے، سو جا چکے۔ کسی نے عرض کیا کہ لوگ کہتے ہیں انگریز بڑے ہی بزدل نکلے کہ بغیر لڑے بھڑے ہوئے فرمایا کہ بزدل نہیں عقلمند نکلے اور جو مواد انکے خلاف ملک میں تیار ہوا تھا اپنے پر سے ٹلا کر وہ بار مسلمانوں پر ڈال دیا کہ یہی بے وقوف قوم ان کو ملی تھی۔ کسی نے گزشتہ حالات کے یہاں کے مسلمانوں کا دیسی ہتھیاروں خصوصاً تبروں (کلہاڑی) سے مسلح ہو کر نکلنا بیان کیا اس پر حضرت والاؒ ہنسے اور فرمایا کہ اس سے تو بریلی کی ہنگامہ ۵۷ء والی فوج یاد آ گئی۔ گھڑا تبر بڑا تبر چلے تبرہ وغیرہ کے نعرہ تھا اور درختوں کو بھی اُڑا دیتی تھی

لوگ کہتے تھے کہ یہ فوج کہیں نہ رک سکے گی جو چیز سامنے آئے گی اڑاتی چلی جائے گی مگر جب انگریزوں کا گولہ پڑا فوج کا کہیں نام ونشاں کا پتہ نہ چلا اور انگریز نواب کو پکڑ کر پھانسی لگا کر چلے گئے۔ نیز فرمایا اچھا ہوا رامپور کے نواب نے ہندوستان میں شرکت کر کے اس وقت تو اپنے آپ کو اور مسلمانوں کو بچا لیا ان شاء اللہ پھر بھی کوئی صورت بن جائے گی اگرچہ کچھ نقصان اقتدار کو پہنچے گا۔ مگر خیر سیر کی واپسی میں حضرت والاؒ وضو فرما کر تخلیہ نشین ہو گئے۔

عصر کے بعد کی مجلس میں مسلمانوں کی سیاسی حیثیت کے متعلق زیادہ باتیں رہیں اور مغرب کے بعد کی مجلس میں فرمایا کہ مسلمانوں کی سیاسی حیثیت کا ذکر ہم ضرور کرتے ہیں مگر اس سے بھی زیادہ جس چیز کی طرف میں توجہ دلانا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ زندگی کی غنیمت کو شمار کرو ذکر الٰہی میں مشغول رہو اور اخلاق سنوار لو کہ بے شمار انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام رضوان اللہ علیہم نے اپنے مشاہدات صادقہ کی بنا پر فرمایا کہ آخرت میں ایمان اور عمل کام آئیں گے۔

ہر نبی کو جنت و دوزخ اور آخرت کا مشاہدہ کرایا گیا ہے اور اولیاء کرام کو بھی اکثر ایسا ہوا ہے۔ ان کا ایمان حقیقی تھا وہاں ظن وتخمین اور عقلی دلائل اور سنی سنائی باتوں پر بنیاد نہ تھی بلکہ

مشاہدہ پر گواہ تھے اور گواہ سنی سنائی یا قیاسی باتوں پر نہیں ہوا کرتے، بلکہ دیکھی ہوئی چیزوں پر ہوا کرتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ چاہے جسے یقین دیتا ہے یقین دیکھنے سے مکمل ہوتا ہے۔ میں تو نہیں مگر میں نے اپنے حضرتؒ کو دیکھا ہے کہ ان کو کیا کچھ حاصل تھا اور سچ تو یہ ہے کہ مجھے ابتدا میں یا لیخو لیا تھا کہ اہم ایسی چیز پر کیسے یقین لا سکتے ہیں جو دیکھنے سننے میں چھونے میں نہ آسکے مگر حضرتؒ کی برکت سے لا سکتے ہیں۔ جو دیکھنے سننے میں چھونے میں نہ آسکے مگر حضرتؒ کی برکت سے یہ سمجھ میں آگیا اور دل میں اتر گیا کہ اللہ چاہے تو ضرور یقین حاصل ہو جاتا ہے۔

پس جب آخرت میں اپنی کمائی سے کام پڑتا ہے تو جو ہو سکے کما لو دنیا کا کیا ہے میری عمر کے یا مجھ سے کچھ چھوٹے یا بڑے یہاں کے نواب تھے۔ ان کی رنگ رلیاں اور ہماری غربت اب ایک ہوگئی۔ ان نواب کا اور ملک خضر حیات کے والد ملک عمر حیات کا ایک رنڈی پر جھگڑا ہو گیا تھا۔ وہ عمر حیات جو میرے گاؤں سے چار کوس (آٹھ میل) پر رہا کرتے تھے ان کی رنگ رلیاں اور میری غربت کے اعتبار سے یکساں ہوگئیں گزر گئیں۔

مگر جو چین ذکر الٰہی کی وجہ سے ہوتا ہے وہ دنیا کے اعلیٰ سے اعلیٰ لوگوں کو کہاں نصیب وہ تو دنیا میں بھی عذاب میں رہتے ہیں اور بے عمل ہوں تو آخرت میں بھی خدا جانے کیا ہوگا۔ اور اللہ والے دنیا میں بھی اطمینان سے رہتے ہیں اور آخرت میں تو ان کے مزے ہیں۔ لوگ بزرگوں کی سوانح عمریاں لکھتے ہیں کہ فلاں جگہ فلاں خاندان میں پیدا ہوئے اور یہ ہوا وہ ہوا، یہ فرمایا وہ فرمایا، ایسا کیا ویسا کیا۔ اور آخر فلاں سن میں وصال ہو گیا۔ مگر لکھنے والے اس راحت اور حالت کے متعلق کیا لکھ سکتے ہیں۔ اور کیسے لکھ سکتے ہیں جو اللہ والوں کو دنیا ہی میں حاصل ہے کہ وہ نہ اسے بیان کرتے ہیں اور نہ ہو کہنے میں آسکتی ہے تو یہ سوانح عمریاں ہوئیں جب زندگی کی اصل بات ہی کا اس میں ذکر نہ آیا۔ احقر کی طرف اشارہ ہے حالات لکھنے سے کیا لکھو گے جب حالات کا تو اہم ہی نہیں اس لیے وہ حاصل کر و تا کہ پتہ چلے بزرگوں کے پاس اصل دولت کیا ہے۔

گوشۂ نفیس

مجلس حضرت سید نفیس الحسینی شاہ صاحب قدس سرہ

بچوں کو کم مارنا چاہیے

ایک قاری صاحب کو حضرت نے مخاطب کر کے فرمایا کہ قراء حضرات کو چاہیے کہ بچوں کو کم مارا کریں، اس سے بچے شوق سے پڑھتے ہیں۔ پھر حضرت نے ایک شعر پڑھا۔

درسِ معلم از بود زمزمۂ محبتے

جمعہ بمکتب آورد طفلِ گریز پای را

اس کا مفہوم یہ ہے کہ اگر محبت سے پڑھایا جائے تو وہ بچہ جو تعلیم سے بھاگ جاتا ہے وہ پھر کہتا ہے کہ مجھے جمعے کے دن بھی لے چلو۔ حضرت نے ان سے فرمایا کہ زیادہ پڑھائی کی طرف توجہ رکھیں بچوں کو جلسے جلوسوں سے بچائیں۔ پڑھائی کے وقت میں صرف پڑھیں گے تو ہی کام بنے گا۔ جن بچوں کو دوران تعلیم جلسے جلوسوں کا شوق چڑھ جاتا ہے وہ آخر پڑھنے سے ہی رہ جاتے ہیں۔

طواف کی ابتداء کیسے ہوئی؟

فرمایا: ملا علی قاریؒ نے اپنے رسالہ اسرار الحج میں لکھا ہے کہ امام زین العابدینؒ سے کسی نے پوچھا کہ طواف کی ابتداء کیسے ہوئی؟ انہوں نے فرمایا جب اللہ رب العزت نے فرشتوں کو خطاب کر کے فرمایا ''انی جاعل فی الارض خلیفہ'' تو اس پر فرشتوں نے جو کچھ فرمایا انی اعلم مالا تعلمون۔ اس کلام کے سیاق وسباق سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت اللہ تعالیٰ جلال میں تھے۔ فرشتوں نے جب یہ دیکھا تو وہ کانپ گئے اور وارفتگی کے عالم میں عرشِ عظیم کے اردگرد طواف کرنا شروع کر دیا۔ اللہ رب العزت کو یہ بات بہت پسند آئی اور فرمایا کہ بالکل اس کے نیچے کرۃ الارض میں بھی ایک گھر تعمیر کرو جہاں اسی طرح طواف ہوا کرے۔

مجلس ذکر کا سلسلہ ہمارے ہاں نہیں ہے

ایک صاحب نے عرض کیا حضرت ایک مجلس ذکر کے اشتہار میں آپ کا نام لکھا ہوا دیکھا۔ ہم نے تو اس لیے اس پروگرام میں شرکت کی کہ آپ کی زیارت ہو جائیگی لیکن آپ تشریف نہیں لائے۔ حضرت نے فرمایا جس مجلس ذکر کے اشتہار میں میرا نام لکھا ہوا دیکھو تو سمجھ لو کہ میں اس میں شرکت نہیں کروں گا۔ پھر فرمایا کہ ہمارے سلسلے میں مختلف جگہوں پر مجالس ذکر کا انعقاد کروانا اور اشتہارات چھپوانا وغیرہ یہ نہیں ہے۔ حضرت مدنیؒ اور حضرت رائپوریؒ بھی سفر کرتے تھے لیکن جہاں جاتے وہاں اپنے معمول کے طابق جو ان کے ذکر کے اوقات ہوتے ہیں ان میں ذکر کرتے، اس طرح مجالس کا انعقاد نہیں کرتے تھے اور جو لوگ اس وقت ان کے ساتھ ہوتے وہ بھی ان کے ساتھ قبلہ رو بیٹھ کر اپنا اپنا ذکر کرتے رہتے تھے۔

عبادت قطب ابدال بننے کیلئے نہیں کرنی چاہیے

ان نے صاحب نے پھر دریافت کیا حضرت قطب، ابدال بننے کیلئے کوئی خاص عبادت کرنی پڑتی ہے؟ حضرت نے فرمایا جو آدمی قطب بننے کیلئے عبادت کرتا ہے وہ کیا عبادت کرتا ہے۔ پھر فرمایا یہ یاد رکھو! قطب، غوث بننے کیلئے عبادت نہیں کی جاتی عبادت تو محض اللہ کی رضا کیلئے کی جاتی ہے۔ اللہ اللہ کرنے کیلئے کوئی غرض شامل نہیں ہونی چاہیے کہ میں آسمان میں اُڑنا شروع کردوں۔ پھر فرمایا کہ آسمان میں اُڑنا کوئی اللہ کے قرب کا ذریعہ ہے تو آسمان میں تو پرندے بھی اُڑتے پھرتے ہیں۔ باقی جو بزرگوں نے لکھا ہے کہ قطب بھی ہوتے ہیں غوث بھی ہوتے ہیں، ہمارا یقین ہے کہ ہوتے ہیں لیکن اس کام کیلئے عبادت کرنا کہ میں قطب بن جاؤں یہ عبث اور بے کار کام ہے۔ حضور ﷺ جو غارِ حرا میں جاتے تھے وہ صرف اللہ کی رضا کیلئے جاتے تھے۔ منصب نبوت لینے کی غرض سے نہیں جاتے تھے وہ تو انعام اللہ نے دیا ہے جو اللہ نے ان کے مقدر میں رکھا تھا۔

شیخ جیلانیؒ کا مشہور واقعہ

اللہ کے سامنے عاجز ہو کر اس کی عبادت کرنی چاہیے اور سمجھے کہ میں کسی لائق نہیں۔ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کا مشہور واقعہ ہے کہ ایک صحراء میں سے گزر رہے تھے پیاس لگی، اللہ نے مینہ برسایا۔

انہوں نے پانی پیا اتنے میں بجلی سے آواز آئی کہ ہم نے تمہارے لیے سب چیزیں حلال کر دیں انہوں نے ''لاحول'' پڑھی اور سمجھ گئے کہ یہ شیطان ہے۔ پھر آواز آئی کہ تجھے تیرے علم نے بچالیا۔ حضرت شیخ فوراً سنبھلے اور فرمایا نہیں مجھے اللہ کے فضل نے بچالیا۔ اللہ کے سامنے عاجز رہے۔ اگر دل میں آ گیا کہ مَیں نے بڑی عبادت کی ہے تو شیطان بنے گا۔ شیطان نے بھی کوئی کم عبادت نہیں کی تھی۔ اللہ کے سامنے عاجز بن کے پڑا رہے۔ کسی نے حضرت رائپوریؒ سے پوچھا کہ تصوف کیا چیز ہے؟ فرمایا اپنے اللہ کے سامنے عاجزی سے پڑے رہو یہی تصوف ہے۔

حضور ﷺ کو جو اتنا بڑا درجہ دیا گیا ہے وہ اس لیے کہ آپ عبدیت میں اس مقام پر پہنچے کہ وہاں تک کوئی نہیں پہنچ سکا۔ پھر اسی عبدیت میں ان کو (ورفعنا لک ذکرک) کا مقام ملا اور عبدیت کیا ہے اللہ کے سامنے عاجزی سے پڑا رہنا۔ یہ نہ سمجھے کہ مَیں کوئی شے ہوں جو یہ سمجھے گا وہ وہیں مارا جائیگا۔

قطب حضرات کے پیشے میں بھی عاجزی

اس لیے کہ آپ نے کتابوں میں پڑھا ہوگا کہ فلاں قطب رنگساز تھا، فلاں موچی تھا۔ ان کے پیشے بھی ایسے تھے جنہوں نے ان کو مٹایا ہوا تھا۔ پھر فرمایا شاہ عبدالعزیزؒ کے متعلق ایک واقعہ درج ہے کہ کسی نے ان سے پوچھا کہ آج کل صاحب خدمت کون ہے جو حالات اتنے خراب ہے؟ انہوں نے فرمایا ایک خربوزے بیچنے والا ہے۔ وہ صاحب ان کے پاس گئے اور ایک خربوزہ خریدا، انہوں نے کاٹ کر دیا اس نے کہا پھیکا ہے، اسی طرح دو تین خربوزے اس نے ضائع کر دیئے۔ انہوں نے خندہ پیشانی سے برداشت کرلیا۔ وہ صاحب واپس آ گئے اور کہا کہ حالات اسی لیے خراب ہیں۔ کچھ عرصہ بعد حالات درست ہو گئے۔ پھر شاہ صاحبؒ سے اسی آدمی نے پوچھا کہ آج کل صاحب خدمت کون ہے؟ فرمایا کہ آج کل صاحب خدمت ایک پانی والا ہے جو کہ جامع مسجد کے پاس رہتا ہے وہ گیا اور ان سے پینے کیلئے پانی لیا۔ تھوڑا سا پانی پی کر نیچے پھینک دیا تو پانی والے نے تھپڑ امارا اور کہا وہ خربوزے والا چلا گیا ہے۔

حضرت نے فرمایا یہ سب چیزیں صحیح ہیں اللہ کا نظام ہے جو چل رہا ہے۔

مرزا غلام احمد قادیانی کے ارتداد پر **سب سے پہلا فتوائے تکفیر** تحریک ختم نبوت تاریخ کے آئینے میں

قومی اسمبلی پاکستان ۱۹۷۴ء میں قادیانی مسئلہ

پر بحث کی مصدقہ رپورٹ — قسط 74

(امت نے کبھی نہیں سمجھا کہ قادیان میں غلام احمد......)

جناب یحییٰ بختیار: نہیں، امت محمدیہ کبھی یہ نہیں سمجھتی رہی کہ قادیان میں مرزا غلام احمد......

مرزا ناصر احمد: نہیں، امت محمدیہ یہ سمجھتی رہی ہے کہ ایک کی بشارت دی گئی ہے۔

جناب یحییٰ بختیار: نہیں، وہ اور سوال ہے...... میں یہاں پوچھتا ہوں، یہاں اس سے مطلب ہے......

مرزا ناصر احمد: ہاں، یعنی بشارت کے جو مورد ہیں وہ......

جناب یحییٰ بختیار: ......''نبی کا نام پانے کے لئے''......

مرزا ناصر احمد: ہاں۔

جناب یحییٰ بختیار: ......یہ نہیں کہہ رہا کہ ''مسیح مجھے......''

مرزا ناصر احمد: نہیں، نہیں۔ امتی نبی۔

جناب یحییٰ بختیار: امتی نبی، ہاں: ''نبی کا نام پانے کے لئے میں ہی مخصوص کیا گیا اور دوسرے تمام اس نام کے مستحق نہیں۔'' یہ اپنی طرف انہوں نے، اپنے بارے میں کہا؟

مرزا ناصر احمد: ہاں، ہاں، اپنے بارے میں۔

(انبیاء سے میں کم نہیں ہوں، مرزا قادیانی کا اعلان)

695 جناب یحییٰ بختیار: اب ایک اور حوالہ۔ ان کے ایک دو شعر ہیں، مرزا صاحب کے ''درثمین'' میں Page288 پر:

انبیاء گرچہ بودہ اند بسے — من بہ عرفان نہ کمترم زکسے
آں چہ داد است ہر نبی راجام — داد آں جام را مرا بتمام

(نزول المسیح ص۹۹، خزائن ج۱۸ص۴۷۷)

مرزا ناصر احمد: یہ شیعہ حضرات کی......

جناب یحییٰ بختیار: یہ مرزا صاحب کے شعر ہیں ناں جی؟

مرزا ناصر احمد: یہ مرزا صاحب کے شعر ہیں اور شیعہ حضرات کے اس اقتباس کا ترجمہ ہے قریباً ،جو میں نے کل پڑھ کر سنایا تھا کہ: ''وہ کہیں گے کہ جس نے ابراہیم علیہ السلام کو دیکھنا ہو، وہ مجھے دیکھ لے۔'' وغیرہ وغیرہ۔

جناب یحییٰ بختیار: نہیں، یہاں وہ یہ فرماتے ہیں کہ جو......

مرزا ناصر احمد: ''جو روحانی جام انبیاء کو دیئے گئے تھے، وہ مجھے نبی اکرمؐ کے طفیل بہتر رنگ میں دیئے گئے ہیں۔''

جناب یحییٰ بختیار: میں ترجمہ کرتا ہوں، اگر آپ سمجھیں کہ ٹھیک ہے......

مرزا ناصر احمد: جی، بہت اچھا۔

جناب یحییٰ بختیار: ''اگرچہ اس دنیا میں بہت سے نبی ہوئے ہیں، لیکن ان میں سے کسی سے بھی، عرفان میں کسی سے بھی کم نہیں ہوں......''

مرزا ناصر احمد: کسی چیز میں؟

جناب یحییٰ بختیار: ''ان میں سے کسی بھی عرفان میں میں کم نہیں ہوں......''

مرزا ناصر احمد: جی۔

جناب یحییٰ بختیار: ''جس نے ہر نبی کو جام دیا، اس نے مجھے بھی بھر کر جام دیا۔''

مرزا ناصر احمد: جی۔

(مرزا قادیانی، انبیاء میں کسی سے کم نہیں)

696 جناب یحییٰ بختیار: یعنی اپنے متعلق وہ نبی کا کہہ رہے ہیں کہ ''میں کسی سے کم نہیں ہوں۔''

مرزا ناصر احمد: ٹھیک ہے۔ اپنے متعلق کہا ہے۔

(حضور علیہ السلام کے بعد صرف ایک نبی ہونا لازم ہے)

جناب یحییٰ بختیار: اب ایک حوالہ ہے ''تشحیذ الاذہان'' قادیان، اگست ۱۹۱۷ء......

مرزا ناصر احمد: ہاں، یہ ایک رسالہ چھپا کرتا تھا۔

جناب یحییٰ بختیار: ہاں، اس رسالے کا ہے۔ وہ......

مرزا ناصر احمد: اس کے مضمون لکھنے والے کون ہیں؟

جناب یحییٰ بختیار: ......یہ میں نہیں جانتا جی۔ اس واسطے میں آپ سے Verification (تصدیق) چاہتا ہوں۔

مرزا ناصر احمد: جی۔

جناب یحییٰ بختیار: یہ کوئی اتھارٹی ہے نہیں۔ ان کا ایک مارچ ۱۹۱۴ء کا ہے اور حوالہ[۲] اور ایک حوالہ ہے اگست ۱۹۱۷ء کا۔

مرزا ناصر احمد: دونوں ''تشحیذ الاذہان؟''

جناب یحییٰ بختیار: ہاں جی۔ تو اس میں لکھا ہے...... یہ وہ خود مرزا صاحب نہیں کہہ رہے......

مرزا ناصر احمد: نہیں جی۔

جناب یحییٰ بختیار: ...... کیونکہ ۱۹۱۷ء اور ۱۹۱۴ء کی بات ہے: ''آنحضرت کے بعد صرف ایک ہی نبی کا ہونا لازم ہے اور بہت انبیاء کا ہونا خدا تعالیٰ کی بہت سی مصلحتوں اور حکمتوں میں رخنہ پیدا کرتا ہے۔'' یہ آپ Verify کردیں۔

مرزا ناصر احمد: نہیں، یہ مضمون کے لحاظ سے میں تصدیق کرتا ہوں، الفاظ کے لحاظ سے میں تصدیق نہیں کرتا۔ یہ مضمون جو ہے وہ ہمارے عقیدے کے مطابق ہے۔

697 جناب یحییٰ بختیار: ہاں: ''آنحضرت کے بعد صرف ایک ہی نبی کا ہونا لازم ہے اور بہت انبیاء کا ہونا خدا تعالیٰ کی بہت سی مصلحتوں اور حکومت میں رخنہ پیدا کرتا ہے۔''

اب، مرزا صاحب! یہاں جو ہے آپ کے اور باقی مسلمانوں کے نقطہ نظر میں کیا یہ فرق نہیں کہ وہ بھی اسی عقیدے کے ہیں، صرف یہ سمجھتے ہیں کہ آنحضرت a کے بعد انبیاء کا آنا خدا تعالیٰ کی بہت سی مصلحتوں اور حکمتوں میں رخنہ پیدا کرتا ہے۔

۱ (تشحیذ الاذہان قادیان ج ۱۲ ش ۸ ص ۱۱، بابت ماہ اگست ۱۹۱۷ء) پر مرزا کے حوالہ سے مضمون نگار نے لکھا ہے: ''آنحضرت a کے بعد صرف ایک ہی نبی کا ہونا لازم ہے اور بہت سارے انبیاء کا ہونا خدا تعالیٰ کی بہت سی مصلحتوں اور حکمتوں میں رخنہ واقع کرتا ہے۔''

۲ (تشحیذ الاذہان قادیان ج ۹ ش ۳ ص ۳۰ تا ۳۲، بابت مارچ ۱۹۱۴ء) میں ہے: ''پس اس لئے امت محمدیہ میں صرف ایک شخص نے نبوت کا درجہ پایا اور باقیوں کو یہ رتبہ نصیب نہیں ہوا۔ کیونکہ ہر ایک کا کام نہیں کہ اتنی ترقی کر سکے۔ بے شک اس امت میں بہت سارے ایسے لوگ پیدا ہوئے جو علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل کے حکم کے ماتحت انبیائے بنی اسرائیل کے ہم پلہ تھے۔ لیکن ان میں سوائے مسیح موعود کے کسی نے بھی نبی کریم a کی اتباع کا اتنا نمونہ نہیں دکھایا کہ نبی کریم a کا کامل ظل کہلا سکے۔ اس لئے نبی کہلانے کے لئے صرف مسیح موعود مخصوص کیا گیا۔''

ان کا یہ عقیدہ ہے کہ آنحضرت a کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا کیونکہ اللہ کی مشیت یہی تھی کہ نہ آئے اور اگر آئے تو وہ حکومت میں رخنہ پیدا کرتا ہے۔ آپ کہتے ہیں کہ نہیں، ایک اور نبی آ سکتا ہے۔ ایک تک رخنہ نہیں پیدا ہوتا۔ ایک سے زیادہ اگر آ گئے تو رخنہ پیدا ہوگا۔

مرزا ناصر احمد: یہ اگر...... سوال ختم ہو گیا ہے؟

جناب یحییٰ بختیار: ہاں جی۔

مرزا ناصر احمد: میں نے ابھی عرض کیا تھا کہ امت محمدیہ تیرہ سو سال تک یہ عقیدہ رکھتی رہی ہے کہ ایک نبی اس امت میں آئے گا اور اس کے بعد کا مضمون فلسفیانہ ہے کہ یہ کیوں صرف ایک کی بشارت دی گئی، اور تیرہ سو سال تک امت محمدیہ صرف ایک مسیح ''نبی اللہ''، جس کو چار دفعہ حدیث مسلم میں کہا گیا ہے۔ صرف اس کے آنے کی انتظار کیوں کی گئی۔ یہ کیوں کا جواب فلسفیانہ ہے۔

جناب یحییٰ بختیار: اب مرزا صاحب! سوال یہ ہے کہ ایک نبی آئے گا۔ آپ کہتے ہیں کہ امتی نبی آئے گا، اور......

مرزا ناصر احمد: نہیں، ہمارا فرق جو ہے، اگر چاہیں تو میں بتاؤں۔ تیرہ سو سال تک جو عقیدہ تھا، وہ یہ تھا کہ مسیح نبی اللہ آئے گا۔ یہ امت کا عقیدہ ہے۔ لیکن معین کوئی شخص انہوں نے اس واسطے نہیں بتائی کہ وہ آیا نہیں تھا۔ ہمارا اور باقی ہمارے بزرگوں کا صرف یہاں فرق نظر آتا ہے اور یہ ہونا بھی چاہئے کہ ہم یہ کہتے ہیں کہ جس کا انتظار تیرہ سو سال سے کیا جا رہا تھا، وہ آ گیا اور وہ ہمارے سلف صالحین کہہ رہے تھے کہ جس کا انتظار تیرہ سو سال سے کیا جا رہا تھا، وہ آنے والا ہے۔ ''آ گیا'' اور ''آنے والا'' کا فرق اور ہونا چاہئے۔ عقلاً کیوں کہ وہ پہلی صدیاں تھیں اور ہم اس صدی میں داخل ہو گئے۔

698 جناب یحییٰ بختیار: دو باتیں ہیں، مرزا صاحب! ایک تو یہ کہ سب کا عقیدہ ہے کہ مسیح آئیں گے۔ اس پر تو *Controversy* نہیں تھی۔ ایک مہدی نے آنا، ان کو نبوت ملنی بھی نہیں، وہ (عیسیٰ علیہ السلام) تو پہلے سے نبی *Appoint* ہوئے تھے۔ پہلے سے نبی مقرر ہوئے تھے۔ یہ حقیقت ہے کہ نہیں؟

مرزا ناصر احمد: پہلے سے وہ نبی تھے جو شریعت موسویہ......

جناب یحییٰ بختیار: نہیں، نبوت ان کو ملی تھی؟

مرزا ناصر احمد: نہیں۔ شریعت موسویہ کو جاری کرنے کے لئے حکم خداوندی کے ساتھ اس دنیا میں آئے تھے۔

جناب یحییٰ بختیار: مرزا صاحب! ان کی اتھارٹی Change ہوگئی۔ ان کو کہا کہ امت میں رہو گے تم۔ مگر نبی وہ پہلے تھے۔ ان کی اس میں سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

مرزا ناصر احمد: پھر اصل میں وہ ہی ٹھیک ہے۔ ایک نقطہ نگاہ سے ٹھیک ہے۔ بس صرف یہ اختلاف ہے ناں ہمارا۔

جناب یحییٰ بختیار: میں تو یہ عرض کر رہا تھا کہ یہاں یہ کہہ رہے ہیں کہ مسیح کا سوال نہیں ہے۔ یہاں تو صاف کہہ رہے ہیں کہ: ’’آنحضرت a کے بعد صرف ایک نبی کا ہونا لازم ہے......‘‘

مرزا ناصر احمد: وہی مراد ہے۔ دوسری جگہ اس کا Explanation ہے۔

(مسیح بن مریم علیہ السلام دمشق میں آئیں گے نا کہ......)

جناب یحییٰ بختیار: ’’......بہت انبیاء کا ہونا خدا تعالیٰ کی بہت سی مصلحتوں اور حکمتوں میں رخنہ پیدا کرتا ہے۔‘‘

بہت کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ سوال تو اگر مسیح کا ہوتا تب تو وہ یہاں پر آ گئے تھے اور باقی وہ جو حدیث میں تھا۔ وہ تو اور بات ہے کہ مریم کا بیٹا ہوگا اور دمشق میں آئے گا۔ اس کی تفصیل میں نہیں جاتا کیونکہ یہاں آپ نے جو فرمایا کہ ’’ایک امتی نبی آئے گا، اور ہمارا یہ بھی عقیدہ ہے کہ مرزا غلام احمد صاحب وہ امتی نبی ہیں، اور ہمارا یہ بھی عقیدہ ہے کہ وہ مسیح......‘‘

مرزا ناصر احمد: مسیح، وہی مسیح جس کا انتظار کیا جاتا رہا تھا۔

جناب یحییٰ بختیار: پھر آپ نے یہ نہیں کہا کہ ’’ہمارا عقیدہ ہے کہ وہ مسیح ہیں۔ امتی نبی بھی ہیں And also......‘‘ [699]

مرزا ناصر احمد: نہیں، نہیں۔ اوہو! ایک آدمی جو ہے وہ امتی نبی بنا ہی مسیح ہونے کی حیثیت سے ہے۔ لیکن اگر خالی ’’مسیح‘‘ کہا جائے تو ہو سکتا تھا، یا سوال...... یہ سمجھا جاتا کہ ہم امتی نبوت کو چھپانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اس واسطے یہ اعلان کیا۔ اسی شخص کو کہنے والے محمدؐ نے مسیح بھی کہا اور ’’مہدی‘‘ بھی کہا اور ’’مسیح ناصری‘‘ آنے والے کے متعلق کہا کہ وہ نازل ہوگا اور پھر وہ جو بحث ہے ناں کہ وہ کون ہے، پرانا ہے یا نیا ہے۔ دراصل اسی نکتہ کے فیصلے کے اوپر یہ سارا مسئلہ اٹکتا ہے۔ اختلافات......

جناب یحییٰ بختیار: میں ایک حوالہ اور بھی، پڑھ دیتا ہوں۔ اس کے بعد پھر میں آپ سے مزید Clarification (وضاحت) کے لئے درخواست کروں گا۔ مرزا ناصر احمد: جی۔

جاری ہے۔۔

جرگہ

مفتی منیب الرحمٰن صاحب

ج کے زبر کے ساتھ یہ لفظ "جَرگہ" ہے اور لغت کے مطابق یہ اصلاً فارسی لفظ ہے۔ اس کے معنی ہیں: "آدمیوں کا مجمع، گروہ، جماعت، پنچایت اور معاشرے، قبیلے یا برادری کے بزرگوں کی وہ جماعت جو مقدمات کا فیصلہ کرتی ہے"۔ اس عنوان کا انتخاب ہم نے اس لیے کیا ہے کہ ہمارے ہاں میڈیا اندھے کی لاٹھی کی طرح یک رُخا ہو جاتا ہے اور کسی فرد یا چیز یا نظریے یا روایت پر چاند ماری شروع کر دیتا ہے۔ جرگے کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا، حالانکہ اصول یہ ہے کہ ہر چیز کی خیر، خیر ہے اور شر، شر ہے۔ مطلقاً کسی چیز کو خیر قرار دے سکتے ہیں اور نہ شر، یہ اُس کے مظہر اور نوعیت پر منحصر ہے۔

ورنہ کون سا ظلم ہے جو ہماری عدالتوں میں نہیں ہوتا، ملک کو جمہوریت کی پٹڑی سے اتارنے والوں کو سندِ توثیق دینے والی یہ معزز عدالتیں اور عالی مرتبت جج صاحبان ہی تھے۔ فیلڈ مارشل محمد ایوب خان، جنرل محمد ضیاء الحق اور جنرل پرویز مشرف کی فوجی حکمرانی کو ان عالی مرتبت عدالتوں ہی نے نہ صرف سندِ توثیق دی بلکہ انہیں آئین میں ترمیم کا اختیار بھی دیا۔ تو کیا پورا میڈیا اور پوری قوم لٹھ لے کر عدالتوں کے پیچھے پڑ گئی اور عدالتوں کو تالے لگ گئے۔ اگر صرف گزشتہ پچیس سال کی اعلیٰ عدالتوں کی کارکردگی کو دیکھا جائے تو اُبکائی آنے لگتی ہے۔

قرآنِ کریم میں بھی جرگے یا ثالثی کا تصور موجود ہے۔ باری تعالیٰ کا فرمان ہے: "اگر تمہیں میاں بیوی کے درمیان اختلاف کا اندیشہ ہے تو ایک ثالث مرد کے خاندان سے اور ایک عورت کے خاندان سے مقرر کرو، اگر اُن کا صلح کا ارادہ ہوگا تو اللہ تعالیٰ اُن کے درمیان موافقت پیدا فرمادے گا، بیشک اللہ خوب جاننے والا بہت باخبر ہے" (النسآء: 35)۔ غزوۂ بنو قریظہ کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے حضرت سعدؓ بن مُعاذ کو "حکَم (ثالث)" مقرر کیا تھا کہ یہودِ بنی قریظہ کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے

اور آپ ﷺ نے اُن کے فیصلے کو نافذ فرمایا تھا۔ بعض روایات کی رُو سے بنو قریظہ نے خود اپنے ماضی کے حلیف حضرت سعدؓ کا نام تجویز کیا تھا۔ ہجرت کے بعد رسول اللہ ﷺ نے اہلِ مدینہ کے ساتھ ایک میثاق کیا تھا' اُسے سیرت کی کتابوں میں "میثاقِ مدینہ" سے تعبیر کیا گیا ہے اور جدید دور میں اُسے مدنی ریاست کا پہلا دستور بھی قرار دیا جاتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے پاس اُس وقت حاکمانہ اختیارات نہیں تھے' مگر آپ ﷺ نے مہاجرین' انصارِ مدینہ اور یہود کے قبائلی سرداروں کو جمع کرکے یہ میثاق ترتیب دیا اور اس میں آپ کو ایک طرح سے "حاکمِ مدینہ" تسلیم کرلیا گیا تھا۔

یہ بھی پنچایت یا جرگے کی ایک صورت تھی۔ جرگے یا پنچایت کو شریعت میں "تحکیم" بھی کہا جاتا ہے۔ تحکیم کے معنی ہیں: "حَکَم یا ثالث بنانا"۔ یہ شرعی عدالت یا قضا کا متبادل نہیں ہے' مگر اسے رضا کارانہ مصالحت اور فیصلہ سازی کا جائز ذریعہ قرار دیا گیا ہے۔ ابوداؤد (ح:4376) میں ہے: "حدود کی بابت آپس میں درگزر کردیا کرو' البتہ حدود کا جو مقدمہ مجھ تک (ریاست تک) پہنچے گا تو پھر حدِ الٰہی کا نافذ کرنا واجب ہو جاتا ہے"۔ ثالثی کی شرائط درج ذیل ہیں: (الف) حَکَم یا ثالث مقرر کرنے میں فریقین کی رضا کارانہ رضامندی ضروری ہے۔ (ب) اگر تنازع دو مسلمانوں میں ہے تو ثالث کا مسلمان' عاقل وبالغ' معاملہ فہم' عادل ودیانتدار اور فقہی معاملات میں فقیہ ہونا ضروری ہے' نیز فسق وفجور کا مرتکب نہ ہو۔

(ج) جس معاملے میں تحکیم کی جارہی ہے' وہ شرعی طور پر قابلِ تصرّف اور قابلِ مصالحت ہو' مثلاً: مالی معاملات' خاندانی جھگڑے' تجارتی تنازعات وغیرہ۔ (د) حدود وقصاص میں تحکیم جائز نہیں ہے کیونکہ یہ ریاست اور قاضی کی ذمہ داری ہے' البتہ قتلِ عَمد کی صورت میں اگر مقتول کے ورثا اور قاتل کے درمیان دیت (خوں بہا) پر مصالحت کی صورت ہو تو اس میں بھی جرگہ یا ثالثی کی گنجائش ہے' لیکن اگر اس ثالثی کو فریقین کی رضامندی کے بغیر قبیلے' برادری یا معاشرتی وسماجی روایات کے دباؤ سے نافذ کیا جائے تو ایسی ثالثی شرعاً معتبر نہیں ہے۔ (ہ) اگر ثالث کا فیصلہ خلافِ شرع ہوگا تو وہ باطل ہوگا۔

ہمارے ضابطۂ فوجداری اور ضابطۂ دیوانی، قانونِ شہادت، وکالت کے ادارے اور عدالتی تاریخ بتاتی ہے کہ ہمارا نظامِ عدل انتہائی فرسودہ اور از کار رفتہ ہے۔ ایسی کئی مثالیں ریکارڈ پر موجود ہیں کہ سزا یافتہ شخص وفات پا گیا ہے یا اُسے سزائے موت دے دی گئی اور بعد میں سپریم کورٹ نے قرار دیا کہ وہ بے قصور تھا، نیز اگر کئی برسوں کی قیدِ بامشقت کے بعد سپریم کورٹ ملزم کو بے قصور قرار دیدے تو سوال یہ ہے کہ ایک بے قصور شخص نے جو پانچ دس یا پندرہ سال جیل میں گزارے اُس کی تلافی کیسے ہو گی۔

اس لیے مغرب میں بھی دیوانی مقدمات بالخصوص مالی معاملات میں ثالثی کو پسند کیا جاتا ہے اور جج اسے ترجیح دیتے ہیں اور ظاہر ہے کہ یہ رسمی عدالت سے ہٹ کر ہوتا ہے۔ اس نظام کو ADR یعنی "عدالت کا متبادل ثالثی نظام" کہا جاتا ہے۔ ہمارے ہاں بھی سپریم کورٹ کے جج صاحبان بھی بعض اوقات ترغیب دیتے ہیں کہ عدالت سے باہر مصالحتی نظام کی گنجائش نکالی جائے۔ ذیل میں ہم جرگے کے نظام اور مغربی ممالک کے متبادل عدالتی نظام کا جائزہ پیش کرتے ہیں:

ہماری جرگے کی روایت قبیلے اور برادری کے نظام پر ہے۔ کراچی میں بعض برادریوں کا اپنا پنچایتی نظام موجود ہے۔ مغرب میں ثالثی کو عدالتی نظام کی توثیق بھی حاصل ہے اور ایک طرح سے یہ تسلیم شدہ متبادل عدالتی نظام ہے۔ فرق یہ ہے کہ مغرب میں فریقین کی رضامندی اور قانون کے دائرے میں یہ کام ہوتا ہے، جبکہ ہمارے ہاں عرف، روایت اور قرآن وسنت پر اس کا مدار ہوتا ہے۔

دیہی علاقوں میں زمین کی حد بندی کا تنازع بھی بعض اوقات جرگے سے حل ہو جاتا ہے اور اس بارے میں قبیلے اور برادری کے بزرگوں کا کردار بڑا اہم ہوتا ہے۔

ہمارے جرگے کے نظام میں عائلی امور اور قتلِ عمد کی دِیت (خوں بہا) کے مسائل بھی حل ہو جاتے ہیں، جبکہ مغرب میں خاندانی، تجارتی، شہری معاملات اور بعض جرائم بھی اس کے دائرۂ کار میں آتے ہیں۔ امریکہ میں بھی عوامی عدالت (Jury) کو باقاعدہ عدالتی نظام کا حصہ بنا دیا گیا

ہے۔ کراچی میں میرے پاس ایک بڑے کاروباری خاندان کے کاروبار کی وراثتی تقسیم کا مسئلہ آیا، میں نے انہیں مشورہ دیا: آپ اپنی کاروباری انجمن میں یہ مسئلہ لے جائیں، وہ لے گئے اور انہوں نے اَحسن طریقے سے حل کر دیا، کیونکہ وہ اُس کاروبار کی باریکیوں کو خوب جانتے تھے۔

اس سے عدالتوں کا بوجھ کم ہوتا ہے اور لوگوں کے لیے انصاف حاصل کرنا آسان ہو جاتا ہے، جبکہ عدالتوں میں مقدمات بعض اوقات نسلوں تک جاری رہتے ہیں اور آخرِ کار کچھ ہاتھ نہیں آتا۔ لہٰذا ہمیں جرگہ، پنچایت اور برادری کی انجمن ایسے اداروں کی نفی کرنے کے بجائے اسے باقاعدہ شکل دینی چاہیے۔ اس صورت میں لوگوں کو جرگے کے ذمہ داروں کے نام معلوم ہوں گے، یہ سوال پیدا نہیں ہوگا کہ کس نے فیصلہ کیا، کن اصولوں کے تحت کیا اور کس نے اُسے نافذ کیا۔

قانون کو ہاتھ میں لینے کا اختیار کسی کے پاس نہیں، لیکن دیہی اور قبائلی معاشرے میں آپ جرگے یا پنچایت یا ثالثی کو مکمل طور پر رد نہیں کر سکتے۔ جدید دنیا کی طرح صحیح حکمتِ عملی اُسے ضابطے میں لانا ہے۔

یہ بھی قرار دیا جا سکتا ہے کہ کسی ثقہ عالم اور ماہرِ قانون کو جرگہ میں بطورِ رکن شامل کیا جائے تاکہ جہاں شریعت وقانون سے تجاوز یا حکم عدولی ہو تو وہ اُس کی نشاندہی کر سکیں۔ البتہ وَنی، کاروکاری، غیرت کے نام پر قتل، وراثت کی تقسیم سے بچنے کے لیے قرآن سے شادی ایسی روایات کو نہ صرف خلافِ قانون اور خلافِ شرع قرار دینا چاہیے، بلکہ اسے تعزیری جرم قرار دینا چاہیے۔

قتلِ عمد اور زنا بالجبر کے متعدد واقعات میں بااثر لوگوں کو عدالتوں کے ذریعے چھٹکارا مل جاتا ہے، چند دن تک یہ خبریں میڈیا کی زینت بنتی ہیں، میڈیا کو جب کوئی تازہ خبر ملتی ہے تو ماضی کو بھلا کر اُس کی تشہیر کر کے اپنی ریٹنگ بڑھانے میں لگ جاتے ہیں اور پچھلی خبر تاریخ کے ملبے تلے دفن ہو جاتی ہے۔ الغرض ظالمانہ سرداری نظام کی آڑ میں جرگے اور ثالثی کی روایت کو مطعون کرنا درست نہیں ہے۔

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کی کرامات

ہاتھ جھٹک دیئے

ایک دفعہ ایک نابینا شخص پاپیادہ میرٹھ سے گنگوہ پہنچا اور کہا کہ اللہ کا نام سیکھنے آیا ہوں، اہل خانقاہ اس کے عاشقانہ شوق سے بہت متاثر ہوئے اور خوب خاطر مدارت کی، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ مسجد میں تشریف لائے، اس نے مصافحہ کرنا چاہا تو آپ نے ہاتھ جھٹک دیئے اور بڑی لاپرواہی سے علیحدہ کر دیا۔ ہر چند اس نے اپنی طلب کا سچا ہونا اور مدت دراز سے زیارت کا متمنی و آرزو مند ہونا ظاہر کیا، مگر حضرت نے مطلق التفات نہ فرمایا، اہل خانقاہ کو بڑا تعجب ہوا کہ یہ کیا ماجرا ہے مگر کسی کو پوچھنے کی یا کچھ کہنے کی جرأت نہ ہوئی، بعض مخلصین نے بالآخر سفارش کر ہی دی تو آپ کو یہ بات ناگوار گذری اور غصے سے فرمایا ”جب تمہیں دخل نہیں تو اس کام میں بولا کیوں کرتے ہو، اس کے قلب کو تو دیکھو، دنیا بھری پڑی ہے۔“

خیر وہ نابینا چلا گیا، دس بارہ روز کے بعد عرس تھا، کسی نے دیکھا کہ قوالی میں خوب حال کھیل رہا ہے۔ جس نے خانقاہ میں اس کا ذوق شوق حضرت کے متعلق دیکھا تھا پوچھا کہ ”میاں حضرت کے ساتھ شوق و ولولہ کہاں گیا، وہ نابینا سچ اگل پڑا“ کہنے لگا، بھیا، یہ تو یاروں کے دھندے میں خیال تھا، تمہارے میاں صاحب پر سکہ جم جائے گا تو خوب آؤ بھگت ہوگی، عرس تک دن نکال لوں گا، پھر عرس میں حال قال میں بھرم بندھے گا، باقی کیسا شوق اور کیسی تمنا زیارت“ ہم تو سیاح قسم کے آدمی ہیں، یوں ہی دن گذارتے پھرتے ہیں۔

نے خادم ہیچ کس نہ مخدوم کسے | گوشاد بزی کہ خوش جہانے دارد

(بیس بڑے مسلمان، ص ۲۲۱)

اچھا جلدی کیا ہے:

حکیم احمد سعید امروہیؒ بیعت ہونا چاہتے تھے مگر کسی جگہ نظر نہ رکی، اسی خیال سے گنگوہ حاضر

ہوئے، حضرت کے کمال اتباع سنت کو دیکھ کر عقیدت پیدا ہوئی مگر پھر خیال یہ ہوا کہ جب تک ادھر سے قلب کو نہ کھینچا جائے گا بیعت نہ کروں گا، کئی دن کے قیام میں معمولات پسندیدہ اور اخلاق حمیدہ دیکھ کر ارادہ کر ہی لیا، بعض خدام کے واسطے درخواست کی حضرت نے صاف انکار کر دیا کہ نہیں، بیعت نہیں کروں گا، بڑے لوگوں کو مرید بنا کر جان کو آفت میں ڈالنا ہے، کوئی سفارش کراتا ہے، کوئی الزام لگاتا ہے، غرض ٹھیک نہیں۔

حکیم صاحب بڑے افسردہ ہوئے کہ مجھ میں یہ قابلیت نہیں کہ مرجع خلائق اور کامل رہبر کی دست بوسی نصیب ہو، اب اسی افسوس میں کئی دن گذر گئے، آخر ایک دن حضرت کو حجرہ میں تنہا دیکھ کر اندر چلے گئے اور عرض کیا کہ حضرت مجھ کو محرومی کی امید نہ تھی، گو میں نا قابل ہوں مگر حضرت تو سب قابل ہیں، حضرت نے ان کو فرمایا "اچھا جلدی کیا ہے" ابھی اپنے قلب کا اطمینان تو کرلو، حکیم صاحب اپنے وسوسہ پر بہت نادم ہوئے اور معذرت کی، آپ نے فرمایا نہیں نہیں، بیعت سے متعلق انسان کو ہر طرح سے قلب مطمئن کر ہی لینا چاہیے۔

اے بسا ابلیس آدم روئے است　　　پس بہر دستے بنا ید داد دست

بالفعل تم واپس جاؤ اور اپنا کام شروع کرو، اللہ تعالیٰ برکت دے گا۔ وہ واپس گئے تو قلب پرسکون، بے چینی دور اور افسر الاطباء اور دنیاوی برکات سے مالا مال۔

(بیس بڑے مسلمان، ص ۲۲۳)

دو رکعت پڑھو:

ایک مرتبہ دو اجنبی شخص آئے، سلام و مصافحہ کے بعد بیعت کی تمنا ظاہر کی، آپ نے فرمایا، دو رکعت پڑھو۔ حضرت کے اس ارشاد پر تھوڑی دیر تو دونوں صاحب گردن جھکائے بیٹھے رہے، پھر چپکے سے اٹھ کر چلے گئے، جب دروازے سے باہر ہوئے،

تو حضرت نے فرمایا، دونوں شیعہ تھے، میرا امتحان لینے آئے تھے، حاضرین میں سے بعض آدمی اس کی تحقیق کو ان کے پیچھے گئے اور معلوم کیا تو واقعی رافضی تھے۔

(بیس بڑے مسلمان، ص ۲۲۳)

چائے میں برکت:

مولانا شریف حسین مدراسی جو حضرت کے شاگرد تھے، حضرت کے دیوبند تشریف لانے پر ایک سماوار میں بڑی عمدہ چائے بنا کر بڑے شوق سے لائے، دیکھا تو بیٹھک اشخاص سے بھر ہوئی تھی، سوچتے رہے کہ کس کو دوں اور کس کو نہ دوں، آخر سوچ کر خاص خاص حضرات کو بلا دیتا ہوں، دہلیز پر بیٹھ کر پلانے لگا تو حضرت نے ارشاد فرمایا، مولانا شریف حسین! ایک طرف سے پلانا شروع کردو، وہ پریشان تو ہوئے لیکن تعمیل ارشاد میں داہنے ہاتھ سے تقسیم کرنا شروع کردی۔ تقریباً پچیس آدمیوں کا مجمع موجود تھا، سب نے چائے پی لی تو سماوار کھول کر دیکھا تو اس میں ابھی چائے موجود تھی، حالانکہ برتن صرف چھ پیالی کا تھا۔

(بیس بڑے مسلمان، ص ۲۲۲)

بادل کا پھٹنا:

حضرت کا معمول تھا کہ ہر روز بارہ بجے دوپہر کو حجرہ کی گھڑیاں دھوپ گھڑی سے ملاتے تھے، ایک دفعہ ایسا ہوا کہ متواتر کئی دن ابر محیط رہا اور دھوپ نہ نکلی، ایک دن دھوپ نکلی تو اس طرح کہ کبھی دھوپ کبھی بادل، حضرت بارہ بجے سے کچھ قبل گھر سے تشریف لائے اور مولانا علی رضا سے کہا کہ جب بارہ بجیں، مجھے خبر کرنا اور خود قریب ہی ایک جگہ لیٹ گئے، جب آئے تو دھوپ تھی، لیکن جس وقت سایہ خط کے قریب (۱۲ کے خط کے قریب) پہنچنے لگا تو دفعتاً ایک بہت بڑا بادل سورج پر چھا گیا، گھبرا کر عرض کیا گیا کہ حضرت دھوپ چھپ گئی ہے، آپ اٹھ کر دھوپ گھڑی کے پاس آگئے، آپ کا آنا تھا کہ بادل درمیان سے پھٹ گئے، آپ نے گھڑی ملائی اور حجرہ میں تشریف لے گئے، یا تو ایسا تھا کہ ابھی دس بارہ منٹ آفتاب نہ نکلے گا یا آپ کے آتے ہی آفتاب کے منہ پر سے ابر کھل گیا اور ایسا ہو گیا جیسے کوئی برقعہ سے منہ کو نکال کر یا جھروکے سے جھانکنے لگے۔

(بیس بڑے مسلمان، ص ۲۲۲)

مرزا غلام احمد قادیانی کی گمراہی کی خبر:

مرزا غلام احمد قادیانی جس زمانے میں براہین لکھ رہا تھا اور انک کا اخبارات میں چرچا ہو رہا

تھا، اس وقت تک ان کو حضرت امام ربانی سے عقیدت تھی، اس طرف جانے والوں کو پوچھا کرتے تھے کہ مولانا اچھی طرح ہیں، دہلی سے گنگوہ کتنے فاصلے پر ہے، راستہ کیسا ہے وغیرہ، اسی زمانے میں حضرت نے ایک دفعہ یوں فرمایا تھا، کہ کام تو یہ شخص اچھا کررہا ہے مگر پیر کی ضرورت ہے، ورنہ گمراہی کا احتمال ہے۔ اس کے بعد ہی مجددیت، مہدویت وعیسویت کے خیالات ظاہر ہونے شروع ہوگئے اور نبوت کا دعوی کیا۔

(بیس بڑے مسلمان، ص۲۲۳)

ہمارا اسلام کہہ دینا:

مولانا عبدالسبحان صاحب انسپکٹر پولیس گوالیار کے ایک تحصیلدار دوست برخاست کردیئے گئے، خاصی کوشش کی دوبارہ تقرری ہومگر ناکامی ہوئی۔ بالآخر دعا کے لیے گنگوہ پہنچے، حضرت نے فرمایا تمہارے وطن کے قریب جو میدان ہے وہاں ایک مجذوب فقیر رہتے ہیں، ''ان سے ہمارا اسلام کہہ دینا'' تحصیلدار صاحب سمجھے کہ ٹال دیا، دلبرداشتہ ہوکر واپس ہوگئے اور فقیر کے پاس بھی نہ گئے، کچھ دنوں کے بعد اتفاقاً ادھر سے گذر ہوا تو فقیر مجذوب بیٹھا ہوا تھا، دور ہی سے ان کو دیکھ کر فقیر نے کہنا شروع کیا ''بابا مولانا صاحب نے بھیجا ہے، جا جا پہاڑ پر چڑھ جا'' یہ سن کر انہوں نے حضرت کا سلام تو پہنچا دیا مگر رنجیدہ ومغموم یہ سوچتے ہوئے مکان کو واپس ہوئے کہ مولانا نے یوں ٹالا اور فقیر نے اس طرح ٹالا، کام کچھ بھی نہ ہوا، اسی پیچ وتاب میں تحصیلدار صاحب مکان پر پہنچے تو حکم آیا ہوا تھا کہ تم بحال کیے گئے، اور نینی تال کا تبادلہ ہوا۔

شیخ عبدالقادر جیلانی کے حکم سے بیعت:

حضرت منشی علی صاحب جالندھری خلیفہ ارشد حضرت شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے بیعت ہوئے تھے، ان کو جب شیخ کی تلاش ہوئی تو حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کی خواب میں زیارت ہوئی اور انہوں نے فرمایا کہ گنگوہ جاؤ اور مولوی رشید احمد سے بیعت کرو، چنانچہ حضرت منشی صاحب حضرت کے بیعت ہوگئے۔

برطانوی راج کی برکتیں......

نسیم احمد باجوہ

مجھے اجازت دیں کہ میں اپنی یہ رائے ظاہر کروں کہ پاکستان میں شاید ہی کسی دانشور نے ہندوستان پر برطانیہ کی دوسو سال لمبی حکومت (جسے راج کہتے ہیں) کے معروف فائدوں کے مقابلہ میں زیادہ نقصانات کے موضوع پر کتاب لکھی ہو۔ میں اپنے قارئین کو دعوت دیتا ہوں کہ وہ مجھے بذریعہ ای میل اُن کتابوں اور ان کو لکھنے والوں کے اسمائے گرامی بتائیں جو راج کے خلاف یعنی اُس کے شدید اور غالباً ناقابل تلافی نقصانات اور ہمہ گیر منفی اثرات بیان کرتے ہوں۔ ان 70 سالوں میں کئی پاکستانی دانشور عالمی اُفق پر اُبھرے ہیں جو سامراج دشمن اور عوام دوست تھے۔ مثلاً حمزہ علوی، اقبال احمد، طارق علی مگر مجھے ہمت کر کے یہ مان لینا چاہیے کہ میری نظر سے اُن کی برطانوی راج کی مذمت کرنے والی تحریر نہیں گزری۔ اگر میرا یہ تأثر درست ہے تو یہ صورت حال ہرگز قابل رشک نہیں۔ اُمید کی جانی چاہیے کہ آنے والے دور میں ہمارے نوجوان مؤرخوں کی اگلی نسل اس بے حد افسوس ناک خلا کو پُر کرے گی۔ جب تک یہ نہ ہوگا ہم اپنا ذہنی قبلہ درست نہ کر پائیں گے۔ ماضی قریب تک بھارت کا تقریباً یہی حال تھا مگر بھارتی پارلیمان کے ایوان زیریں (لوک سبھا) کے جانے پہچانے رُکن Shashi Tharoor نے ایک کمال کی کتاب Inglorios Empire لکھ کر اُس کام کو آگے بڑھایا جو Pankaj Mishra نے شروع کیا تھا۔ ان دونوں کی جتنی تعریف کی جائے کم ہوگی۔ کتنا اچھا ہو کہ پاکستان میں کوئی اچھا سا ناشران دونوں کی کتابوں کا اُردو ترجمہ شائع کر دے تاکہ وہ ہمارے تعلیم یافتہ طبقہ کی روشنی طبع کا باعث بن سکیں۔ اگر ترجمہ کا بھاری پتھر نہ اُٹھایا جا سکے وہ انگریزی میں ہی شائع کر دیں، مگر برائے مہربانی کچھ نہ کچھ تو کریں تاکہ ہمارے ذہنوں پر چھایا ہوا اندھیرا کم ہو اور ہمارا اجتماعی شعور خزاں سے بہار اور اندھیرے سے روشنی کی طرح بڑھ سکے۔ چاہے کتنا ڈگمگاتا ہوا، چاہے ہزار لڑکھڑاتا ہوا اور مغرب زدہ مگر اہم بات یہ ہے کہ آگے کی طرف بڑھتا رہے۔ اُفتاں وخیزاں۔

میرے قارئین کی اکثریت شاید یہ نہ جانتی ہوگی کہ صدیوں تک ہندوستان کو عالمی معیشت میں بڑا نمایاں مقام حاصل تھا۔ اتنا نمایاں کہ اپنے عروج پر پہنچی ہوئی سلطنت روم اور Han بادشاہت کے زمانہ کا چین اُس کے دوسرے درجہ کے تجارتی معاون تھے۔ جب برطانیہ نے 1747ء میں پلاسی کی

جنگ میں فتح کے بعد ہندوستان کو فتح کرنے کی ایک صدی پر پھیلی ہوئی مہم شروع کی تو (آپ مانیں یا نہ مانیں) ہندوستان کی خوشحالی اس بلند درجہ پر تھی کہ وہ عالمی معیشت کا ایک چوتھائی تھی۔ برطانوی راج نے آنکھوں کو خیرہ کردینے والی خوشحالی کو انہی آنکھوں کو اشکبار کردینے والی غربت میں بدل دیا۔ ستم ظریفی یہ ہے کہ دوسو سال طویل راج کے ستم زدگان کے دل میں برطانیہ کے خلاف غم وغصہ کی بجائے عقیدت، احسان مندی اور تشکر کے جذبات موجزن ہیں۔ خصوصاً ہمارے نام نہاد اشرافیہ اور نودولتیے غلامانہ طبقہ کے ذہن میں جس کو مغربی خوراک (برگر) مغربی لباس (Jeans) مغربی موسیقی، مغربی زبان (انگریزی) اور مغربی مشروب وغیرہ جیسی پانچ مہلک اور ناقابل علاج دائمی بیماریاں لاحق ہیں۔ مناسب ہوگا کہ ہم انگریزی میں سوچنے والوں اور بقول اقبال فرنگی بتکدہ میں کھوجانے والوں اور شیشہ گرانِ فرنگ کا احسان اُٹھانے والوں اور ہمارے قومی غرور کا سودا کرنے والوں کا ہاتھ اُٹھا کر فاتحہ پڑھیں۔ عرصہ ہوا کہ یہ طبقہ ذہنی طور پر مرچکا۔ اب کوئی ایسا مبارک لمحہ آئے گا اور ضرور آئے گا جب اُسے کوئی عوامی انقلاب اسی طرح دفن کرے گا جس طرح ایران میں ہوا اور عرب ممالک میں آئی ہوئی بہار کا جھونکا (اگر بدقسمتی سے بن کھلے مُرجھا گیا) کر کے دکھادیتا اور ہماری آنکھوں کے سامنے ترکی میں ہورہا ہے۔

Dr. Tharoor نے 2005ء میں آکسفورڈ یونیورسٹی کے ایک مباحثہ میں جو معرکہ کی تقریر کی وہی اُن سے کتاب لکھوانے کا باعث بنی۔ اس کتاب میں فاضل مصنف نے ٹھوس حقائق کی مدد سے ثابت کیا ہے کہ راج کی بنیاد ظلم وتشدد، استحصال اور لوٹ مار پر تھی۔ برطانوی حکمرانوں نے ہندوستان سے اتنی زیادہ دولت لوٹی کہ اُس کا حساب لگانا مشکل ہوگیا۔ مقامی صنعتوں خصوصاً کپڑا بنانے والی Textile صنعت کو تباہ وبرباد کر کے ہندوستانی کاشتکاروں کو مجبور کردیا گیا کہ وہ سات سمندر پار لنکا شائر کی فیکٹریوں کو کپاس برآمد کریں اور پھر وہاں سے کپڑا درآمد کر کے کروڑوں ہندوستانی صارفین کی ضرورت کو پورا کرنے کے سوا اور کوئی چارہ نہ رہے۔ 1940ء کے عشرہ میں پڑنے والے قحط بنگال کے بارے میں تو آپ ضرور تھوڑا سا جانتے ہوں گے۔ جس میں 60 لاکھ افراد انتہائی دردناک اور خون کے آنسو رُلا دینے والے حالات میں ایڑیاں رگڑ رگڑ کر کیڑے مکوڑوں کی طرح مر گئے۔ تمام مؤرخین کی رائے میں برطانوی حکومت کی سنگدلانہ اور سفاکانہ پالیسی اس مجرمانہ غفلت کی ذمہ دار تھی۔ یہ

آخری قحط تو تھا مگر یہ پہلا قحط ہر گز نہ تھا۔ 1870ء میں قحط پڑا تو ہندوستان کے وائسرائے اور گورنر جنرل Lord Lytton نے سرکاری طور پر یہ اعلان کیا کہ ہمیں قحط میں مرنے کی جان بچانے کی کوئی کوشش نہیں کرنی چاہیے چونکہ Malthus کے نظریہ کے مطابق آفات کے ذریعہ قدرت انسانی آبادی میں اضافہ کا مسئلہ خود بخود حل کرتی رہتی ہے۔ قحط بنگال کی سب سے بڑی ذمہ داری برطانوی وزیراعظم ونسٹن چرچل پر عائد ہوتی ہے جس نے غلہ سے بھرے ہوئے بحری جہازوں کو کلکتہ لنگر انداز نہ ہونے اور اُس کے بجائے یورپ کی بندرگاہوں کا رُخ کرنے کا چنگیزی حکم دیا۔ یہی وجہ ہے کہ اقبال نے فرنگی اور دوسرے یورپی حکمرانوں کے بارے میں بجا طور پر کہا تھا۔

"چہرہ روشن اندرون چنگیز سے تاریک تر"

برطانوی راج کے خلاف نعرہ بازی کرنا اور سُنی سنائی باتوں کو چلا دینا سطحی اور غیر سنجیدہ کام ہے، ٹھوس مستند اور عالمانہ کتاب لکھنا دُوسرا کام ہے جو Dr. Throor نے کر دکھایا اور دُنیا بھر کے علمی حلقوں سے داد وصول کی۔ Dr. Tharood نے ناقابل تردید حقائق اور ٹھوس دلائل سے ثابت کیا ہے کہ برطانوی راج نے ہندوستان پر تین بڑے ظلم کیے۔ اٹھارویں صدی میں دُنیا میں کپڑا بنانے والی سب سے بڑی صنعت، اُنیسویں صدی میں جہاز رانی کی صنعت اور بیسویں صدی میں Locomotive انجن بنانے والی صنعت تباہ و برباد کر دی۔ مذکورہ بالا کتاب اپنے پڑھنے والے کو وزنی دلائل کے ذریعے اس مؤقف کا قائل کر دیتی ہے کہ ہندوستان کا خون چوسنے والی برطانوی حکمران حکومت کے اخراجات اپنی رعایا سے وصول کرتے تھے اور اُوپر سے اُنہیں یہ جتانے میں بھی کامیاب ہوئے کہ وہ خوش نصیب ہیں کہ وہ ہندوستان پر اتنی اچھی حکمرانی سے فیض یاب ہو رہے ہیں۔ برطانوی راج کے آخری پچاس سالوں میں ہندوستان کی فی کس آمدنی صفر رہی۔ جب برطانوی راج 1947ء میں ختم ہوا تو ہندوستان میں آبادی کا 90 فیصد غریب تھا۔ خواندگی کا تناسب 16 فی صد تھا اور اوسط عمر 27 برس تھی۔ اگر ہم 1947ء کا 2017ء مقابلہ کریں تو ہم دیکھتے ہیں کہ برصغیر پاک و ہند کے تینوں ممالک ہزاروں خرابیوں اور خامیوں کے باوجود کہاں سے کہاں جا پہنچے ہیں۔ نااہل اور بدعنوان حکمران اور پرلے درجے کے کرپٹ نظام حکومت کے باوجود کم از کم آپ ذرا سوچیں کہ اگر ڈیڑھ ارب انسانوں کے ہاتھوں میں یہ ہتھکڑیاں اور پاؤں میں اتنی وزنی بیڑیاں نہ ہوتیں تو ہمارا اقوام عالم میں کیا درجہ ہوتا؟ کم از کم کوریا، ملائیشیا اور ترکی کے برابر!

سر تسلیم خم کیجیے

حفیظ تائب

نبی کو مظہرِ شانِ خدا کہیے، بجا کہیے
شہ عالم، امامِ انبیاء کہیے بجا کہیے
نبی کے ہر سخن میں ہے جھلک وحی الٰہی کی
حدیثِ مصطفیٰ پر مرحبا کہیے، بجا کہیے
دو عالم جن کے جلووں کی ضیاء پاشی سے روشن ہیں
انہیں شمس الضحیٰ، بدرالدجیٰ کہیے، بجا کہیے
ہوئی تکمیل جن کی ذات پر ہر خیرو برکت کی
انہیں خیرالبشر خیرالوریٰ کہیے بجا کہیے
لقب ہیں رحمۃ للعالمین ختم الرسل جن کے
انہیں لطفِ خدا کی انتہا کہیے بجا کہیے
غریبوں کی جو ثروت ہیں ضعیفوں کی جو قوت ہیں
انہیں عالم کے ہر دکھ کی دوا کہیے، بجا کہیے
مری تسکین میری بخشش مری توقیر کے ضامن
محمدؐ ہیں محمدؐ برملا کہیے، بجا کہیے
سر تسلیم خم کیجیے نبی کے حکم پر تائب
نبیؐ کے نام پر صل علیٰ کہیے بجا کہیے

غذا اور صحت

(Nurtition and Health)

معاشرے، خاندان اور فرد کی غذا کی اہمیت:

اچھی غذا اور صحت کا آپس میں گہرا تعلق ہے۔ ایک فرد کی صحت کا کلی انحصار اُن متوازن غذائی اجزاء کے حصول پر ہے جو روزہ مرہ زندگی میں مناسب خوراک سے حاصل کرتا ہے۔ ہوا اور پانی کے بعد خوراک ہماری بقاء کیلئے بنیادی حیثیت رکھتی ہے۔ فرد کے زندہ رہنے کیلئے خوراک لازمی عنصر ہے۔ فرد روزہ مردہ زندگی میں جس قسم کی خوراک حاصل کرتا ہے وہ اس کی ذہنی اور جسمانی صلاحیتوں کو براہِ راست متاثر کرتی ہے۔ فرد کی کام کرنے کی صلاحیت، خوش وخرم اور صحت مند طویل زندگی گزارنے کا راز اُس کی روزہ مرزہ کی غذائی عادات پر منحصر ہے۔

تندرست وتوانا جسم کے ساتھ ساتھ صحت مند ذہن کا انحصار فرد کو متوازن غذائی ضروریات کی مسلسل فراہمی پر ہے۔ خوراک کام کرنے کیلئے توانائی فراہم کرتی ہے۔ جس فرد کی غذائی ضروریات کی تسکین بہتر طور پر ہوتی رہے اُس میں صحت کے ساتھ ساتھ کام کرنے کا جذبہ بھی بیدار رہتا ہے۔ ایسے خاندان میں جہاں افراد کی غذائی ضروریات بہتر اور معیاری انداز سے پوری ہوتی رہیں وہ نہ صرف یہ خوش وخرم رہتے ہیں بلکہ دوسرے افراد کی نسبت کرم کرنے کی زیادہ صلاحیت بھی رکھتے ہیں جس کی وجہ سے ان کے معاشی حالات بھی بہتر رہتے ہیں۔

ایسے افراد جن کی غذائی ضروریات احسن طور پر پوری نہ ہو سکیں وہ کمزور صحت کی وجہ سے محنت طلب کام نہیں کرسکتے نیتجتاً ایسے افراد کے زیر کفالت خاندان معاشی پس ماندگی کا شکار ہو جاتے ہیں۔ اُن کی قوتِ خرید کم ہو جاتی ہے جس وجہ سے بالآخر خاندان کے تمام افراد کی صحت متاثر ہونا شروع ہو جاتی ہے۔ یوں کم آمدنی اور کمزور صحت کی وجہ سے غذائی قلت کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ جس

کی وجہ سے کئی جان لیوا بیماریاں اور متعدی امراض پیدا ہونے لگتے ہیں۔انہی وجوہات کی بناپر تعلیمی اور معاشی طور پر پسماندہ معاشروں میں شرح اموات بلند ہو جاتی ہے۔

متوازن غذا کی مسلسل فراہمی سے افراد کی صحت کو بہتر بنا کر ہی اس صورتحال پر قابو پایا جاسکتا ہے۔

رہنما اصول برائے خوراک

(ا) شکر کا استعمال کم کریں۔

(ب) چکنائی کم مقدار میں کھائیں۔

(ج) ریشہ دار اور نشاستہ دار اشیاء زیادہ استعمال کریں۔

(د) نمک کا استعمال کم کریں۔

(ڈ) کھانے میں تنوع اور لطف پیدا کریں۔

(ر) وزن مناسب رکھنے کیلئے اعتدال سے کھائیں۔

اب ہم باری باری ان سب کی وضاحت کرتے ہیں۔

(ا) شکر کا استعمال کم کریں

ماہرین اس بات سے متفق ہیں کہ روزمرہ زندگی کی کل غذائی ضروریات میں شکر کا استعمال 10 فیصد سے زیادہ ہرگز نہ ہو۔اس طرح شکر کے کم استعمال سے نہ ہم موٹاپے سے بچے رہیں گے بلکہ ہمارے دانت بھی کیڑا لگنے سے محفوظ رہیں گے۔

درج ذیل طریقوں پر عمل کرنے سے روزمرہ زندگی میں شکر کا استعمال کم کیا جاسکتا ہے۔

(i) مشروبات میں شکر ملانے سے گریز کریں۔

(ii) اپنی خوراک میں قدرتی مٹھاس والی اشیاء مثلاً پھل وغیرہ کا استعمال کثرت سے کریں۔

(iii) کسٹرڈ، ناشتے کے دلیے، کیک اور بسکٹ بناتے وقت شکر کی مقدار بتدریج کم کرنا شروع کر دیں۔

(iv) سنیکس اور زیادہ میٹھاس والی اشیاء کی عادت نہ ڈالیں البتہ کبھی کبھار کھانے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

(v) بچوں کیلئے دودھ بناتے وقت چینی کا استعمال نہ کریں تاکہ بڑا ہونے پر کم چینی کا استعمال اس کی عادت بن جائے۔

(ب) چکنائی کم مقدار میں کھائیں

ہمیں روزمرہ کی غذائی ضروریات پوری کرتے وقت 35% سے زیادہ چکنائی استعمال نہیں کرنا چاہیے۔ جس میں حل پذیر چکنائی کی مقدار 10% سے بھی کم ہونی چاہیے۔ (یادرہے کہ غیر حل پذیر چکنائی کولیسٹرول بڑھانے اور موٹاپے کا باعث بنتی ہے) غیر حل پذیر چکنائی کا استعمال گھٹانے سے دل کے امراض کے امکانات میں کمی لائی جاسکتی ہے۔ مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ روزمرہ کے کھانوں میں توانائی کا استعمال کم کیسے کیا جائے۔

درج ذیل اقدامات پر عمل کرنے سے چکنائی کا استعمال کم کیا جاسکتا ہے:

(i) دودھ ہمیشہ کم چکنائی والا یا بالائی اتار کر استعمال کیا جائے بالخصوص جب دودھ دیگر اشیائے خوردنی میں استعمال کرنا ہو۔

(ii) خوراک میں مرغی اور مچھلی کے گوشت کو زیادہ اہمیت دیں اگر گائے یا بکرے کا گوشت استعمال کرنا ضروری ہو تو گوشت چربی کے بغیر خریدیں، اُس کے پارچہ جات بنوائیں اور پکانے سے پہلے ایک بار خود بھی چربی اچھی طرح صاف کرلیں۔

(iii) کھانا پکاتے ہوئے تلنے اور زیادہ گھی میں بھوننے سے گریز کریں۔ چکنائی کا استعمال کم کرنے کیلئے کھانے کو کوئلوں پر سینکنے، بھاپ میں پکانے یا دم پخت کرنے کو ترجیح دیں۔

(iv) کیک بسکٹ، پیسٹری، پیٹیز اور خشک میوہ جات کے بلاوجہ استعمال سے اجتناب کیا جائے۔ کیونکہ ان تمام اشیاء میں چکنائی کی خاصی مقدار موجود ہوتی ہے۔

(v) چکنائی استعمال کرتے وقت اس کی مقدار اور معیار کا خصوصی خیال رکھیں۔

(vi) دیسی یا بناسپتی گھی استعمال کرنے کی بجائے بنولہ، مکئی، کینولہ یا زیتون کا تیل استعمال کرنے کو ترجیح دیں۔

(ج) ریشہ دار اور نشاستہ دار اشیاء زیادہ استعمال کریں

کیونکہ ریشہ دار اجزاء ایسے کاربوہائیڈریٹ پر مشتمل ہوتے ہیں جو جلد ہضم ہو کر جزوبدن نہیں بنتے۔اس لیے یہ انسانی صحت کیلئے بہت مفید ہوتے ہیں۔ان کی کثیر مقدار انتڑیوں میں موجود فاضل مادوں میں اضافے اور ان کے اخراج میں معاون ہو کر انتڑیوں سے متعلقہ امراض سے بچاؤ باعث بنتی ہے۔نشاستہ دار اجزاء چونکہ شکم سیر ہوتے ہیں اس لیے ان کے استعمال سے باربار کھانے کی رغبت پیدا نہیں ہوتی۔خوراک میں ریشہ دار اجزاء کا استعمال بڑھانے کیلئے درج ذیل اقدامات مفید ثابت ہوسکتے ہیں۔(i) روزمرہ زندگی میں اناج کا استعمال بڑھا دیں اور غذا میں اناج استعمال کرتے وقت اس کی بھوسی الگ نہ کریں۔میدے کی بجائے بغیر چھنے آٹے کا استعمال اس کی مثال ہے۔

(ii) خوراک میں پھلوں اور سبزیوں کا استعمال کثرت سے کریں۔پھلوں اور سبزیوں کو اچھی طرح دھو کر ممکنہ حد تک چھلکا اُتارے بغیر استعمال کریں۔(iii) ناشتے کیلئے ایسے دلیے کا انتخاب جس میں ریشے کی مقدار زیادہ اور شکر کی مقدار کم سے کم ہو۔(iv) کھانے میں دالوں کا استعمال بڑھائیں کیونکہ دالوں کو بغیر چھلکا اُتارے استعمال کرنے سے ریشے کی وافر مقدار حاصل کی جاسکتی ہے۔

(د) نمک کا کم استعمال

ماہرین کا کہنا ہے کہ کھانوں اور مشروبات کے ذریعے نمک کے استعمال کی یومیہ مقدار 6 گرام سے زیادہ نہیں ہونی چاہیے۔(یادر ہے کہ 6 گرام نمک تین چائے چمچ کے برابر ہوتا ہے)۔

درج ذیل ہدایات پر عمل کرتے ہوئے ہم روزمرہ زندگی میں نمک کے استعمال پر قابو پاسکتے ہیں:

(i) خالص نمک کی بجائے اس کی خوشبویات یا جڑی بوٹیوں کے استعمال کو ترجیح دیں۔

(ii) پکے ہوئے کھانوں پر نمک کا زائد استعمال نہ کریں۔

(iii) دسترخوان سے نمک دانی ہٹا دیں۔(iv) نمکین سنیکس کے بکثرت استعمال سے گریز کریں۔

(v) اپنی خوراک میں ایسی اشیاء کو شامل نہ کریں جن کی تیاری میں نمک کا زائد یا وافر استعمال مثلاً اچار، پنیر Sausages ڈبے میں محفوظ سبزیاں، بھنا ہوا گوشت وغیرہ۔

--

خواتین کے صفحات

خادمۃ القرآن

بچوں کو سزا دینے کے بہترین طریقے

تعزیر وہ سزا ہے جو تادیب (تنبیہ کرنے کے لیے) دی جائے اور حد کے درجہ سے کم ہو اور اس کے مختلف طریقے ہیں، ملامت کرنا، ڈانٹنا، ہاتھ یا لکڑی وغیرہ سے مارنا، کان کھینچنا، سخت الفاظ کہنا، قید کر دینا، مالی سزا دینا۔

(۱)...... بچوں کی بہتر سزا یہ ہے کہ ان کی چھٹی بند کر دی جائے، اس کا ان پر کافی اثر ہوتا ہے۔

(۲)...... میں نے (بچوں کے لیے) دو سزائیں مقرر کر رکھی ہیں، ایک کان پکڑوانا جس کو مراد آباد والے بطخ یا مرغا بنوانا کہتے ہیں۔ دوسرے اٹھنا بیٹھنا، اس میں دونوں صلاحیں ہو جاتی ہیں، جسمانی بھی کیونکہ اس میں ورزش ہوتی ہے اور نفسانی یعنی اخلاقی بھی کیونکہ اس سے تنبیہ ہو جاتی ہے۔

(۳)...... مجھے بچوں کے پیٹنے سے سخت تکلیف ہوتی ہے، بوقت ضرورت اگر کبھی میں مارتا ہوں تو رسی سے مارتا ہوں، اس میں ہڈی ٹوٹنے کا خطر نہیں ہوتا۔

(۴)...... (عام حالات میں) سزا میں دو چپت بھی کافی ہیں۔

سختی کرنے کی حدود، سختی مقصود بالذات نہیں:

سختی مقصود بالذات نہیں، مقصود اصلاح ہے، جب معلوم ہو جائے کہ سختی سے نفع نہیں ہوتا تو نرمی سے اصلاح کرتا ہے مگر اس میں ضبط وتحمل کی ضرورت ہے جو مشکل ہے کیونکہ یہ تو آسان ہے کہ بالکل نہ بولے اور یہ مشکل ہے کہ ناگواری میں تحمل سے بولے۔ خاص طور پر جب کہ دوسرا ٹیڑھا ہوتا چلا جائے اور اپنے گھر والوں کا حال خود ہی ہر شخص جانتا ہے کہ نرمی سے اصلاح ہوگی یا سختی سے، محض سختی کرنے سے کچھ نہیں ہوتا۔ میں بھی جن لوگوں کے ساتھ ان کے اصلاح کے لیے سختی کرتا ہوں، اب چھوڑ دوں گا کیونکہ کچھ نفع نہیں ہوتا۔

ایک صاحب نے فرمایا کہ کیا (ایسی حالت میں گھر والوں کو) مطلق العنان (یعنی بالکل آزاد) چھوڑ دیا جائے؟ فرمایا نہیں، نصیحت کرتا ہے۔

زیادہ سختی کرنے اور مارنے کے نقصانات:

آپ نے دیکھا ہوگا کہ جس شریر بچہ کو بار بار پیٹا جائے، اٹھتے بیٹھتے لات جوتے کا معاملہ رکھا جائے، وہ بے حیا ہو جاتا ہے، پھر وہ کسی سے بھی نہیں ڈرتا۔ اس سے قطع نظر ہم نے یہ بھی دیکھا ہے کہ زیادہ مارنا تعلیم و تربیت کے لیے بھی مفید نہیں ہوتا بلکہ مضر ہوتا ہے۔

(۱)...... ایک تو یہ کہ بچہ کے قویٰ (اعضاء) کمزور ہو جاتے ہیں۔

(۲)...... دوسرے یہ کہ ڈر کے مارے سارا پڑھا لکھا بھول جاتا ہے۔

(۳)...... تیسرے یہ کہ جب پٹتے پٹتے عادی ہو جاتا ہے تو بے حیا بن جاتا ہے، پھر پٹنے سے اس پر کچھ اثر نہیں ہوتا، اس وقت یہ مرض لاعلاج ہو جاتا ہے اور ساری عمر کے لیے ایک بری عادت یعنی بے حیائی اس کی طبیعت میں داخل ہو جاتی ہے۔

سزا دینے کے غلط طریقے:

ایسی وحشیانہ سزا جس کی برداشت نہ ہو سکے، جیسے دھوپ میں کھڑا کر کے تیل چھوڑنا، ہنٹروں سے بے درد ہو کر مارنا، نہایت گناہ ہے، کسی آدمی یا جانور کو آگ سے جلانا جائز نہیں۔ بعض لوگوں کا دستور ہے کہ لڑکوں سے دوسرے لڑکوں کے چپت لگواتے ہیں مگر میں اس سے منع کرتا ہوں، یہ بہت غلط طریقہ ہے کہ اس سے آپس میں عداوت (دشمنی ہو جاتی ہے)

ماں باپ کا ظلم و زیادتی:

غضب یہ ہے کہ بعض دفعہ چھوٹوں پر بھی بری طرح غصہ کیا جاتا ہے اور وہ بالکل بے بس ہوتے ہیں، ان کی طرف سے کچھ بھی بدلہ نہیں ہو سکتا۔ بچوں پر جو ظلم ماں باپ کی طرف سے ہوتا ہے، وہ اسی کا ہے، بعضے ماں باپ ایسے قصائی ہوتے ہیں کہ بچہ کو اس طرح مارتے ہیں کہ جیسے کوئی جانور کو مارتا ہے بلکہ جیسے کوئی چھت کوٹتا ہے اور اگر کوئی منع کرے تو کہتے ہیں کہ ہمیں اختیار ہے، ہم اس کے باپ بھی ہیں۔

یاد رکھئے کہ باپ ہونے سے ملکِ رقبہ (یعنی اس کی جان کی ملکیت) حاصل نہیں ہوتی، ورنہ یہ بھی ہوتا ہے کہ باپ بیٹے کو بیچ لیا کرتے۔ باپ کا رتبہ اللہ تعالیٰ نے بڑا کیا ہے، اس واسطے نہیں کہ چھوٹے اس کی ملک ہوں اور اس سے چھوٹوں کو تکلیف پہنچے، بلکہ اس واسطے کہ چھوٹوں کی پرورش کرے اور ان کو آرام دے، ہاں کبھی اس آرام دینے کی ضرورت سے سزا اور تنبیہ کرنے کی بھی ضرورت پیش آتی ہے اور اس کی اجازت ہے۔

سزا میں کتنی مار مار سکتے ہیں؟:

تنبیہ کرنے اور سزا دینے کی ضرورت پڑتی ہے اور اس کی اجازت ہے اور ''ضروری بقدر ضروری ہوتا ہے'' کا ضابطہ ہے، اس قاعدے سے اتنی ہی تادیب (سزا) دینے کی اجازت ہو سکتی ہے جو پرورش اور تربیت میں مفید ہو، نہ اتنی جو کہ درجہ ایلام (سخت تکلیف اور مصیبت) تک پہنچ جائے۔ اور ماں باپ کو تو اللہ تعالیٰ نے محض رحمت بنایا ہے، ان سے ایسی زیادتی ہونا اس بات کی علامت ہے کہ یہ شخص انسانیت سے بھی خارج ہے۔

ضرب فاحش (سخت مار) سے فقہاء نے صراحتاً منع فرمایا ہے اور جس مار سے کھال پر نشان پڑ جائے، اس کو بھی فقہاء نے ضرب فاحش میں داخل کیا ہے اور جس مار سے ہڈی ٹوٹ جائے یا کھال پھٹ جائے وہ بدرجہ اولیٰ منع ہے۔ لیکن ضرب فاحش سے خود استاد، باپ کو تعزیر (سزا) دی جائے گی۔

غصہ میں ہرگز نہیں مارنا چاہیے:

غصہ کو جہاں تک ہو سکے روکو، غصہ کی حالت میں حواس درست نہیں رہتے، اس وقت کوئی فیصلہ نہیں کرنا چاہیے۔ غصہ کے وقت طبیعت بھڑک اٹھتی ہے اور اس کی برائیاں اور نقصانات پیش نظر نہیں رہ جاتے، تجربہ کر کے دیکھا گیا ہے کہ غصہ کو روکنا ہمیشہ اچھا ہوا ہے اور جب غصہ کو جاری کیا گیا ہے تو ہمیشہ اس کا انجام برا ہوا ہے جب غصہ آجائے تو ہرگز کسی قول یا فعل میں جلدی نہ کرے، حدیثوں میں بھی غصہ کے وقت فیصلہ کرنے کی ممانعت آئی ہے۔ غصہ میں بچوں کو ہرگز نہ مارا جائے بلکہ غصہ ٹھنڈا ہو جانے کے بعد سوچ سمجھ کر سزا دی جائے۔

سزا دینے میں ظلم وزیادتی نہ ہونے پائے، اس کی تدبیر:

حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ سے دریافت کیا گیا کہ نوکر پر زبان سے یا ہاتھ سے سزا دینے میں زیادتی ہو جاتی ہے اور بعد میں پچھتانا پڑتا ہے، کوئی ایسی تدبیت ارشاد فرمائیں جس سے زیادتی نہ ہو اور سیاعت میں بھی فرق نہ آئے۔

(۱)...... بہتر تدبیر یہ ہے کہ زبان سے کچھ کہنے یا ہاتھ بڑھانے سے پہلے یہ سوچ لیا جائے کہ فلاں فلاں لفظ میں کہوں گا یا اتنا ماروں گا پھر اس کا التزام کیا جائے کہ جتنا سوچا ہے اس سے زیادہ نہ ہو جائے۔

(۲)...... سب سے بہتر علاج یہ ہے کہ غصہ میں نہ مارا کریں، جب غصہ جاتا رہے تو سوچا کریں کہ کتنا قصور ہے، اتنی سزا دینی چاہیے، یہ تو سلامتی کی بات ہے ورنہ لڑ کے قیامت میں بدلہ لیں گے۔

ناحق ستانے کا بڑا گناہ ہے۔

(۳)...... ایک عورت نے بلی کو ستایا تھا، جب وہ مرگئی تو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ وہ عورت جہنم میں ہے اور وہ بلی اس کو نوچتی ہے، جب بلی کو ستانے سے وہ عورت دوزخ میں گئی تو لڑکے تو انسان ہیں۔

اگر بہت زیادہ غصہ آئے تو کیا کریں:

اگر بہت زیادہ غصہ آئے تو اس کو چاہیے کہ اس کے سامنے سے خود ہٹ جائے یا اسے ہٹادے اور ٹھنڈا پانی پی لے اور اگر زیادہ غصہ ہو تو یہ سوچ لے کہ اللہ تعالیٰ کے بھی ہمارے اوپر حقوق ہیں اور ہم سے بھی غلطی ہوتی رہتی ہے، جب وہ ہمیں معاف کرتے رہتے ہیں تو ہم کو بھی چاہیے کہ اس شخص کی غلطی سے درگزر کریں، ورنہ اگر اللہ تعالیٰ بھی ہم سے انتقام لینے لگیں تو ہمارا کیا حال ہو۔

سزا دینے میں ظلم وزیادتی ہوگئی تو اس کی تلافی کا طریقہ:

اگر کوئی اپنی زیادتی (اور ظلم) کی تلافی کرنا چاہے تو اس کی تدبیر یہ ہے کہ سزا دینے کے بعد بچوں کے ساتھ شفقت کرو اور جس پر زیادتی کی ہے اس کے ساتھ احسان کرو، یہاں تک کہ وہ خوش ہو جائے، جیسے میرٹھ کے ایک رئیس نے ایک نوکر کے طمانچہ مار دیا تھا پھر اس کو اپنی غلطی کا احساس ہوا تو اس کو ایک روپیہ دیا، پھر دوسرے نوکر سے کہا کہ اس سے پوچھنا اب کیا حال ہے؟ کہنے لگا کہ میں تو دعا کررہا ہوں کہ ایک طمانچہ روز لگ جایا کرے۔ بس تلافی کا یہ طریقہ بہت اچھا ہے، اس سے بچوں کے اخلاق پر بھی برا اثر نہ ہوگا اور ظلم کا دفعیہ بھی ہو جائے۔

نافرمان اولاد:

ایک صاحب نے عرض کیا کہ فلاں صاحب آنا چاہتے تھے مگران کا لڑکا کچھ رقم لے کر بھاگ گیا ہے، اس پریشانی کی وجہ سے نہیں آسکے، فرمایا اگر بالغ ہوگیا ہو تو نکال باہر کریں، کس جھگڑے میں پڑے ہیں، نالائق اولاد کی مثال ایسی ہے جیسے زائد انگلی نکل آتی ہے کہ اگر رکھا جائے تو عیب ہے، اگر کاٹا جائے تو تکلیف۔

اولاد کی پرورش اور علاج معالجہ کے سلسلہ میں پریشان ہونے سے بھی ترقی ہے:

میں نے ایک صاحب کو دیکھا جو عالم اور ڈپٹی کلکٹر تھے، جب ان کی پنشن ہوگئی تو ان کا جی چاہتا تھا کہ الگ بیٹھ کر اللہ اللہ کروں، خدا کی قدرت کہ ذکروشغل شروع کرنے کے بعد ان کے دو بیٹے ایک دم سے پاگل ہوگئے، وہ سخت پریشان ہوگئے کیونکہ اب ان کے علاج معالجہ میں مشغول ہونا پڑا۔ وہ خلوت ویکسوئی فوت ہوگئی اور بعض دفعہ اللہ اللہ کرنا بھی نصیب نہ ہوتا تھا لیکن عارف کے لیے کوئی

پریشانی نہیں کیونکہ عارف اپنے لیے کوئی حالت تجویز نہیں کرتا جب تک اللہ تعالیٰ خلوت میں رکھیں خلوت میں رہتا ہے اور جب وہ خلوت سے نکالنا چاہیں نکل جاتا ہے اور اسی میں راضی رہتا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ اصل مقصود اللہ تعالیٰ کی رضامندی ہے اور وہ جس طرح خلوت میں ہوتی ہے، بعض دفعہ مخلوق کی خدمت میں ہوتی ہے تو کیا ان کو مجنون (پاگل اولاد) کی خدمت میں ثواب نہ ملتا ہوگا ضرور ملتا ہوگا۔ اس صورت میں یہ فکر ہی ترقی کا ذریعہ ہے اس وقت بے فکری اور خلوت مفید نہیں بلکہ خلوت میں اللہ اللہ کرنے سے جو ثواب ملتا ہے جنون (یعنی بیمار یا پاگل اولاد) کی خدمت میں اس سے زیادہ ثواب ملتا ہے، پھر پریشانی کس لیے؟

پریشانی کی وجہ اور اس کا حل:

یاد رکھئے پریشانی کا مدار تجویز ہے کہ انسان اپنے لیے یا اپنے متعلقین کے لیے ایک خیالی پلاؤ پکا لیتا ہے کہ یہ لڑکا زندہ ہے اور تعلیم یافتہ ہو اور اس کو اتنی تنخواہ ہو، پھر وہ ہماری خدمت کرے اور یہ مال ہمارے پاس رہے، اس میں اس طرح ترقی ہو اور اتنا نفع ہو۔ جو سب اس مرض میں مبتلا ہیں کہ دور دراز کی امیدیں پکانے لگتے ہیں، پھر جب تجویز اور امید کے خلاف ہوتا ہے تو پریشانی، رنج میں گرفتار ہوتے ہیں اگر پہلے سے کوئی تجویز نہ ہو تو پریشانی کبھی پاس نہ پھٹکے۔ اسی لیے اہل اللہ سب سے زیادہ آرام وراحت میں ہوتے ہیں، ان کو کسی واقعہ سے پریشانی اور غم نہیں ہوتا کیونکہ وہاں تجویز کا نشان ہی نہیں بلکہ تفویض کلی ہے (یعنی اللہ کے ہر فیصلہ پر راضی ہوتے ہیں)

اگر کسی طرح اولاد کی اصلاح نہ ہو اور اس نے عاجز تنگ کر رکھا ہو:

بچہ کی تعلیم کرنی چاہیے (لیکن) یہ ایسی چیز ہے کہ کسی کے قبضہ و اختیار میں نہیں، بعض دفعہ لاکھ کوشش کرو، مگر اولاد نالائق ہوتی ہے۔ فرمایا ایک صاحب نے تحریر کیا کہ میرا لڑکا آوارہ ہو گیا ہے، مجھ کو اس سے بہت پریشانی ہے کیا تدبیر کروں؟ میں نے جواب میں لکھ دیا کہ تدبیر تو کرو مگر اس پر مرتب ثمرہ (یعنی نتیجہ مرتب ہونے کا انتظار نہ کرو) پریشانی ختم ہونے کی تدبیر اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ تدبیر وہ کرتا رہے مگر ثمرہ مرتب ہونے کی (یعنی یہ کہ اس کی مکمل اصلاح ہو جائے) اور جیسا میں چاہتا ہوں ویسا ہی ہو جائے اس بات کی فکر چھوڑ دے۔

یہ جواب نصوص (یعنی قرآن وحدیث) کے موافق ہے کوئی آزاد مشرب ہوتا ہے تو یہ جواب لکھتا ہے کہ تدبیر ہی چھوڑ دو مگر ایسا کرنا حق شفقت کے خلاف ہے، باقی ثمرہ کی فکر سو بات یہ ہے کہ اگر محبوب سے (یعنی اللہ سے) دل لگ جائے تو ایسی سب فکریں آپ سے چھوٹ جائیں (لیکن طبعی طور پر اولاد کے بگڑنے کا رنج ضرور ہوتا ہے اور اس رنج پر بھی اجر وثواب ملتا ہے۔)

بچوں کے صفحات

سلطان شمس الدین التمش

آرام شاہ کے بعد قطب الدین کا آزاد کردہ غلام اور داماد شمس الدین التمش ۱۲۱۰ء میں تخت نشین ہوا، تو یہ بھی عجیب وغریب اوصاف وخصائص کا انسان تھا، ایک طرف وہ نہایت مدبر، بیدار مغز اور بہترین سیاست دان اور بہادر تھا جس نے تخت نشین ہونے کے بعد پہلے سندھ اور بنگال کے باغی گورنروں کی سرکوبی کی، پھر ہندوؤں کی ہمسایہ خودمختار ریاستوں کی طرف توجہ کی اور راجپوتانہ پر حملہ کیا، تنھبمو اور گوالیار کے قلعوں کی تسخیر کی، مالوہ کا قدیم دارالسلطنت اجین فتح کیا، علاوہ بریں نظم ونسق اور ڈسپلن کا یہ عالم تھا کہ بقول ڈاکٹر تریپاٹھی کے اس کو ہندوستان میں اسلامی خودمختار حکومت کا اولین موسس اور بانی کہا جاسکتا ہے۔ ان اوصاف کے ساتھ ہی دوسری جانب وہ نہایت عابد وزاہد صوفی منش اور فقر پسند طبیعت کا مالک تھا۔ چنانچہ خزائن الاصفیاء کے مصنف کا بیان ہے ”اگرچہ بظاہر تعلق بہ بادشاہی درشت لیکن از دل فقیر وفقیر دوست بود۔“

فرائض ونوافل کی پابندی کا یہ عالم تھا کہ بادشاہ ہوجانے کے بعد بڑے سے بڑے اہم سیاسی کاموں میں مصروف ہونے کے باوجود وہ نماز ترک نہ کرتا تھا، مولف طبقات اکبری کا بیان ہے: ”سلطان شمس الدین برطاعت وعبادت مدام بود وروزہائے جمعہ بمسجد رفتے وبہ ادائے فرائض ونوافل قیام نمودے۔“

وعظ سننے کا اسے بڑا اشتیاق تھا، ہفتہ میں تین مرتبہ اور ماہ رمضان المبارک میں روزانہ وعظ سنتا تھا، سیر العارفین کی روایت ہے کہ جمعہ کی نماز کے بعد سلطان اپنے محل میں ایک اجتماع منعقد کرتا تھا جس میں اکابر واشراف ومشائخ شریک ہوتے تھے، اس اجتماع میں شرکاء بزم پوری آزادی سے بادشاہ اسلام کے فرائض وواجبات پر اظہار خیال کرتے اور بادشاہ ان سب کو بڑی توجہ اور دلچسپی سے سنتا تھا۔

فرائض وعام نوافل کے علاوہ وہ رات رات بھر ذکر الٰہی اور اوراد ووظائف میں مشغول رہتا تھا، بابا فرید فوائد السالکین میں لکھتے ہیں: ”از حد صاحب اعتقاد بود کہ شبہا بیدار بودے کہ وقتے اورا کسے

در خواب ندیدے مگر در عالم تحیر ایستادہ واگر قدرے خواب کردے ہماں زماں بیدار شدے دخود برخاستے وآب گرفتے، وضو ساختے، وبر مصلی قرار گرفتے وہیچ یکے از خدمت گاران وغیرہ بیدار نہ کردے وگفتے آسودگاں را چرا در رنج آرم۔"

سلطان کے کمال تصوف و درویشی کے ثبوت کے لیے اس سے بڑھ کر اور کیا دلیل ہوگی کہ خواجہ عثمان ہرونی جو خود بڑے پایہ کے بزرگ وصوفی اور حضرت خواجہ معین الدین چشتی کے پیر و مرشد ہیں، سلطان کو "انسان کامل" سمجھتے تھے، انہی وجوہ سے سلطان کو علماء و مشائخ اور خصوصاً صوفیائے کرام سے بڑی عقیدت تھی، اس کے عہد میں درہ خیبر کے راستہ سے کثرت سے مشائخ وصوفیا ہندوستان آئے، جب سلطان کو ان میں سے کسی کے دہلی آنے کی اطلاع ہوتی تو استقبال کے لیے خود میلوں تک پا پیادہ جاتا تھا، حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ ملتان سے دہلی آئے تو سلطان نے حضرت خواجہ کا بڑا شاندار استقبال کیا اور شاہی محل میں ہی قیام کرنے کی درخواست کی لیکن جب قطب الدین صاحب نے اس درخواست کو نامنظور کر دیا اور شہر سے باہر ایک خانقاہ میں قیام فرمایا تو سلطان اکثر و بیشتر آپ کی ملاقات کے لیے خانقاہ میں آتا تھا اور آپ سے پند و نصیحت کی باتیں سنتا تھا، سلطان کو قطب صاحب سے کس درجہ عقیدت وارادت تھی، اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ خود حضرت قطب صاحب کا بیان ہے کہ "ایک رات سلطان مجھ دعاگو کے پاس آیا اور آتے ہی میرے پاؤں پکڑ لیے، میں نے کہا" کیا کوئی تکلیف ہے؟ اگر کوئی حاجت ہے تو بیان کیجئے" سلطان نے جواب دیا" حاجت! حاجت تو اس خدا کے فضل وکرم سے جس نے مجھ کو یہ مملکت اور سلطنت دی ہے کوئی نہیں ہے، مجھ کو البتہ صرف یہ بتا دیجئے کہ قیامت کے روز میرا حشر کس گروہ کے ساتھ ہوگا؟"

ایک مرتبہ جب بعض سیاسی حالات کے باعث حضرت خواجہ معین الدین چشتی قطب صاحب کو اپنے ہمراہ لے کر دہلی سے اجمیر جانے لگے تو اہالیان دہلی کے جمع غفیر کے ساتھ سلطان بھی کئی میل تک ان دونوں بزرگوں کے مشایعت کے لیے پیدل گیا لیکن جب خواجہ اجمیری کو باشندگان دہلی اور خود سلطان کے رنج وغم کا احساس ہوا اور اس بنا پر آپ نے قطب صاحب کو دہلی میں ہی قیام کرنے کی اجازت دے دی تو سلطان نے فرط مسرت سے خواجہ اجمیری کے پاؤں کو بوسہ دیا اور قطب صاحب کو بڑی عزت واحترام کے ساتھ دار السلطنت واپس لے آیا۔

خلافت راشدہ کے بعد غالباً مشکل سے ہی کوئی بادشاہ ایسا نکلے گا جو شمس الدین التمش کی طرح سبحہ وشمشیر کے کمالات کا ایک وقت جامع ہو، بہترین مدبر اور سیاست دان ہونے کے ساتھ اعلیٰ درہ کا

صوفی اور صاحب معرفت وطریقت بھی ہو، اس کی تلوار نے بڑی بڑی حریف طاقتوں کو شکست فاش دے کر ایک عظیم ووسیع سلطنت کی بنیادیں مستحکم کی ہوں لیکن وہ خود درویشوں اور فقیروں کی خاک پا ہو۔ عظیم الشان طاقتیں اس کے قدموں پر اطاعت وبندگی کا سر جھکائے ہوئے ہوں لیکن وہ خود گوشہ نشین ارباب فقر کے پاؤں کو بوسہ دیتا ہو، رات کی تاریکیوں میں خانقاہ کے اندر اجکر خوف خدا اور فکر فرد اسے رُوتا ہوا آہ وزاری کرتا ہو، سلطان کی پاکیزہ زندگی، طہارت، نفس اور ورع وتقویٰ کے لیے اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت چاہیے کہ ۱۴ ربیع الاول ۶۳۳ھ کو جب حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کا وصال ہوا اور آپ کا جنازہ غسل وکفن کے بعد باہر لایا گیا تو خواجہ ابو سعید نے کہا حضرت خواجہ نے وصیت کی تھی کہ ”میرے جنازہ کی نماز صرف وہ شخص پڑھائے جس نے کبھی زنا نہ کیا ہو اور عصر کی سنتیں اور تکبیر اولیٰ ترک نہ کی ہوں“ اس مجمع میں سلطان خود موجود تھا، وہ انتظار کرتا رہا کہ حضرت خواجہ کی وصیت کے مطابق کوئی ایسے ہی بزرگ آگے بڑھیں اور نماز پڑھائیں، سلطان کافی دیر ترک انتظار کرتا رہا لیکن جب آخر کسی شخص نے نماز جنازہ میں امامت کرنے کی جرأت نہ کی تو سلطان کو دآگے بڑھا اور بولا ”میں اپنی نمازوں کی تشہیر اور نمائش پسند نہیں کرتا لیکن حضرت خواجہ کی وصیت کی تعمیل بہر حال ضروری ہے۔“ یہ کہہ کر سلطان نے نماز پڑھائی اور جنازہ کو کاندھا دیتا ہوا قبرستان لے گیا۔

حضرت خواجہ کی وفات کے چند مہینوں بعد ۶۳۳ھ میں خود سلطان کا بھی انتقال ہوگیا لیکن جب تک زندہ رہا، قاضی حمید الدین ناگوری کی خانقاہ میں خواجہ صاحب کی فاتحہ کے طور پر کھانا بھیجتا رہا، سلطان کی وفات پر حضرت خواجہ سلطان نظام الدین اولیاء نے حسب ذیل شعر کہا:

بساں شش صدوسی وسہ بود کہ از ہجرت نماند شاہ جہاں شمس دین عالمگیر

انہی خصوصیات کے باعث سلطان شمس الدین ہندوستان کا پہلا مسلمان بادشاہ تھا جس کے لیے بغداد کے دربار خلافت سے خلعت فاخرہ آیا اور ہندوستان پر اس کی حکومت کو تسلیم کیا گیا، طبقات اکبری کے مصنف نظام الدین احمد کا بیان ہے کہ سلطان کے لیے یہ دن بڑی مسرت اور جشن کا تھا، اس نے جب یہ خلعت زیب تن کیا تو مارے خوشی کے پھولا نہ سماتا تھا، اس تقریب مسرت میں اس نے امراء کو خلعت تقسیم کیے اور شہر کی آئینہ بندی کرائی۔

سلطان نے ۶۳۳ھ میں وفات پائی اور دہلی کے پاس مسجد قوت الاسلام یعنی قطب صاحب کی الاٹ کے احاطہ میں سڑک کے کنارہ پر اس کا مزار عبرت گاہ خواص وعوام ہے۔

فیصل آباد کے قدیم اور تاریخی مدرسہ

بڑھتی ہوئی بجلی کی ضروریات اور مہنگائی کے پیش نظر

جامعہ ملیہ اسلامیہ،

مسجد مدرسہ والی، میں

(سولر سسٹم)

کی تنصیب میں تعاون کی ضرورت ہے

شمسی توانائی (سولر سسٹم)

الحمدللہ سولر سسٹم کا ایک حصہ مکمل ہوگیا ہے،

بقایاجات کی ادائیگی کے لئے
بھرپور تعاون کی درخواست ہے

50KW

فوری ضرورت برائے تعاون

6,000,000

ساٹھ لاکھ روپے

تمام حضرات اپنی طرف سے اور عزیز و اقارب مرحومین
کی طرف سے خوب حصہ ڈالیں

مولانا جواد الرحمٰن لدھیانوی مہتمم
مولانا حماد الرحمٰن لدھیانوی نائب مہتمم
جامعہ ملیہ اسلامیہ، محلہ خالصہ کالج، فیصل آباد
041-8711569
0300-9657076

Monthly

Magazine

Millia

JAMIA MILLIA ISLAMIA

FAISALABAD PAKISTAN

Reg:M # FD-16

اهم اعلان

ابن انیس نمبر

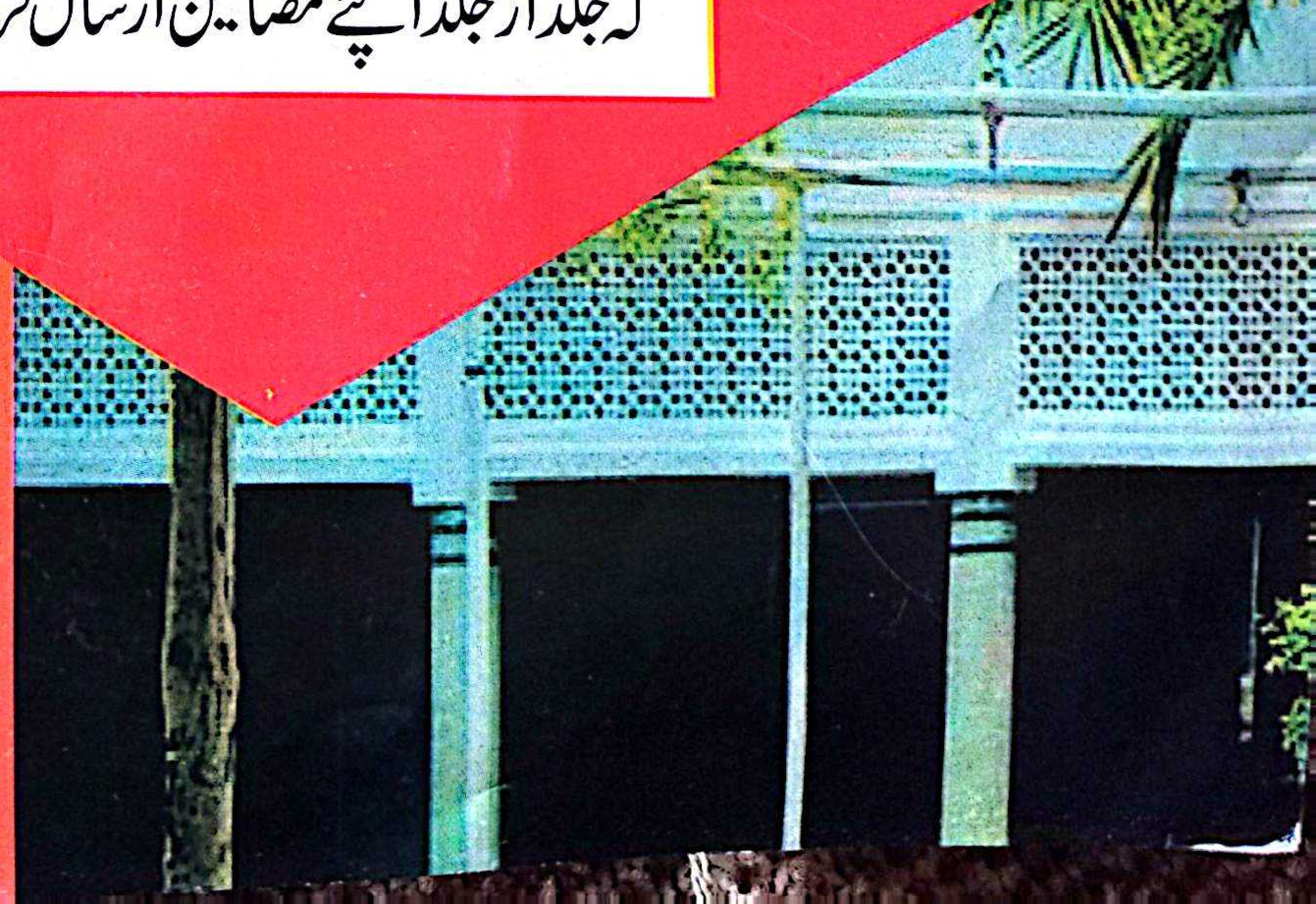
ماہنامہ ملیہ فیصل آباد

ابن انیس حضرت مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ

بانی ماہنامہ ملیہ، مہتمم جامعہ ملیہ اسلامیہ، خلیفہ ومجاز حضرت سید نفیس الحسینی شاہ صاحبؒ

کی حیات وخدمات پر انشاءاللہ بہت جلد نمبر شائع کیا جائے گا،

تمام شاگرد، متوسلین ومحبین سے گزارش ہے
کہ جلد از جلد اپنے مضامین ارسال فرمائیں



برائے رابطہ

جامعہ ملیہ اسلامیہ فیصل آباد

محلہ خالصہ کالج، P.O مدینہ ٹاؤن،

041-8711569 0300-9657076

www.milliafsd.com